مفت سلسلہ اشاعت نمبر 137

اہل سنت کا نشان

ماہنامہ بقیع کراچی

SEPTEMBER 2005

سیرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصنف

فقیہ العصر مولینا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

نام کتاب: سیرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

مؤلف: حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

کمپوزر: الوقار انٹرپرائز 0300-213 8240

ضخامت: ۹۶

تعداد: ۲۰۰۰

تاریخ اشاعت: ستمبر/۲۰۰۵ء

مفت سلسلہ اشاعت: ۱۳۷

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی ۷۴۰۰۰

فون: 021-2439799

Ishaate Islam

شجرہ فقہ حنفی

حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت صدیق اکبر — حضرت فاروق اعظم

عبداللہ ابن مسعود

سوید ابن قیس — شریح القاضی کوفہ

ابراہیم نخعی

حماد بن ابی سلیمان

امام اعظم ابوحنیفہ

امام ابویوسف — امام محمد بن حسن شیبانی

ابوجعفر الطحاوی — ابومنصور ماتریدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

فہرست

مولد ومسکن	۱۲
اس وقت کے مشاہیر	۱٤
حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق	۱٤
امام شعبی	۱٤
سلمہ بن کہیل	۱٤
ابواسحاق سبعی	۱۵
محارب بن دثار	۱۵
عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود	۱۵
ہشام بن عروہ بن زبیر	۱۵
سلیمان بن مہران معروف باعمش	۱۵
حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق	۱٦
حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	۱٦
زمانہ	۱۸
صحابہ سے سماع حدیث	۲۳
تعلیم	۲٤
تحصیل حدیث	۲۵
امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات	۳۰
عظیم محدث ہونے کے شواہد	۳٤
بشارت نبوی	۳۸
تصانیف امام اعظم	٤۰
فقہ اکبر	٤۰
العالم والمتعلم	٤۰
مسانید	٤۱
مسانید کی اسناد	٤۲
خصوصیت	٤۳
جرح وتعدیل میں حذاقت	٤۳
قلت روایت کا سبب	٤٤
فقہ کی حقیقت	٤٦
فضیلت فقہ	٤٦
ضرورت فقہ	٤۸
بنیاد	۵۰
احکام میں فرق مراتب کے موجد	۵٤
عمل بالحدیث	۵۹
شبہات اور جوابات	٦۵
ایک اور الزام	۷۲
اشعار کی کراہت کی وجہ	۷٤
احادیث کے علل قادحہ خفیہ	۷٦
معانی حدیث کی فہم	۷۸
ایک لطیفہ	۸۰
ایک اور طعن اور اس کے جوابات	۸۲
مخالفت کے اسباب	۸۵
تلامذہ	۸۸
وفات	۹۰
تجہیز وتکفین	۹۱

تعارف مصنف

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمۃ کا تولد ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں قاضی شرع صدر الشریعۃ محمد امجد علی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۶۷ھ) کے وطن مالوف قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوا۔ قصبہ گھوسی کے مقامی مکتب میں آپ نے ناظرہ قرآن اور وہیں صدر الشریعہ کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی سے ''گلستان''، ''بوستان'' پڑھیں اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے عزم سے دس شوال ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۴ء مبارک پور پہنچے جہاں آپ نے جلالۃ العلم حافظ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مرادآبادی کے زیر سایہ مدرسہ لطیفیہ مصباح العلوم محلہ پرانی بستی میں ابتدائی عربی سے لے کر حمداللہ و ہدایہ و ترمذی تک پڑھا۔

۱۳ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ بمطابق سن ۱۹۴۲ء میں سات آٹھ ماہ کے لئے مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے بھی طالب علم رہے جہاں آپ نے صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی سے حاشیہ عبدالغفور، شمس بازغہ اور خیر الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی سے خیالی اور قاضی مبارک اور دیگر کتب کا درس لیا۔

اور شوال المکرم سن ۱۳۶۱ھ بمطابق ۱۹۴۲ء میں آپ مدرسہ مسجد بی بی جی بریلی شریف پہنچے اور وہاں آپ نے محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (فیصل آبادی) سے صحاح ستہ حرفاً حرفاً پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۰ شعبان سن ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں دستار فضیلت کی تقریب ہوئی جس میں صدر الشریعۃ، صدر الافاضل، مفتی اعظم ہند اور دیگر جلیل القدر علماء و مشائخ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔

اساتذہ کرام:

مدارسِ اہلسنّت میں تقریباً بارہ برس تک آپ نے باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ منقولات و معقولات کی سبھی مروجہ کتب آپ نے جن اساتذہ کرام سے پڑھیں ان میں چند کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱- صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۶۷ھ
۲- مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ
۳- حافظ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ
۴- محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمہ
۵- صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ
۶- خیر الاذکیاء مولانا غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ
۷- شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری علیہ الرحمہ
۸- مولانا غلام محی الدین بلیاوی علیہ الرحمہ
۹- مولانا شمس الحق مبارک پوری علیہ الرحمہ

اور آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد سے ۳۵ سال تک دس مختلف مدارس میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی جہاں بے شمار تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔

مشہور تلامذہ

خواجہ ظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مجیب اشرف اعظمی، قاضی عبدالرحیم بستوی، مولانا رحمت حسین کلیمی، مولانا عزیز اعظمی، مولانا قمر الدین اشرفی اعظمی، مولانا حفیظ اللہ اعظمی، مولانا سلطان احمد اوروی، مولانا امام الدین مصطفوی، مفتی شفیق احمد شریفی، مولانا افضال احمد، مولانا محمد عمر بہرائچی، مولانا غلام ربانی، مولانا محمد کوثر خان نعیمی، مولانا رحمت اللہ بلرامپوری، مولانا عبد الودود فقیہ، مولانا قاری شفیق احمد، مولانا صوفی فضل الرحمٰن، مولانا طیش محمد شریفی، مولانا ولی اللہ

شریفی، مولانا شمیم الزمان، مولانا کمال احمد، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا حافظ عبدالحق رضوی، مفتی معراج احمد مولانا بدر عالم، مولانا محمد نسیم مصباحی، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا بدرالقادری اور مولانا یٰسین اختر مصباحی وغیرہم۔

فقہ وافتاء

آپ نے شعبان ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء سے شوال ۱۳۶۷ھ بمطابق اگست ۱۹۴۸ء تک اپنے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں صدرالشریعہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور دارالعلوم مظہرالاسلام، بریلی کے زمانہ تدریس شوال ۱۳۷۵ھ بمطابق جون ۱۹۵۶ء سے ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۷ء تک مسلسل گیارہ سال دو ماہ تین دن کی طویل مدت میں آپ نے مفتی اعظم ہند سے بے شمار بار مسائل میں استفادہ کیا اس دوران آپ نے تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ تحریر فرمائے اور عوام و خواص کو بے شمار مسائل سے روشناس کیا اور جہاں جہاں آپ مختلف اوقات میں پہنچے، ان تمام مدارس کے زمانہ تدریس میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے کے بعد آپ نے صرف افتاء کی خدمت انجام دی اور آپ کی سرپرستی میں متعدد معاونِ مفتیانِ کرام فتاویٰ لکھتے اور آپ بطور رئیس دارالافتاء ان کی تصدیق فرماتے اور خود بھی فتاویٰ املا کرواتے تھے۔

تحریر وتصنیف

تدریس وافتاء کی گراں بار ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف وتالیف کا حق بھی ادا کیا آپ کی تحریر نصف صدی پر محیط ہے اور اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے کے بعد آپ نے ''صحیح بخاری'' کا ترجمہ وشرح لکھنے کا بیڑا اُٹھایا جو الحمدللہ پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ گیا۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب ورسائل درج ذیل ہیں۔

۱- نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری (۹ جلدیں)

۲- اشرف السیر

۳- اسلام اور چاند کا سفر

۴- السراج الکامل

۵- اشکِ رواں

۶- تحقیقات (دو حصے)

۷- اثبات ایصال ثواب

۸- سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ

۹- مقالات امجدی

۱۰- روداد مناظرہ (حواشی)

۱۱- اذان خطبہ (افادات)

۱۲- تنقید برمحل (افادات)

۱۳- فتنوں کی سرزمین نجد یا عراق؟

۱۴- مفتی اعظم ہند اپنے فضل وکمال کے آئینہ میں

۱۵- حواشی فتاویٰ امجدیہ (اول ودوم)

۱۶- فتاویٰ اشرفیہ (زیر طبع)

تقریر وتبلیغ:

جس طرح آپ نے تدریس وافتاء اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ دین متین کی خدمت انجام دی اسی طرح بیان وتقریر کے ذریعے سے دین متین کی اشاعت کا حق بھی بھرپور طریقے سے انجام دیا۔

ردّ ومناظرہ:

فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے متعدد مناظروں میں شرکت کی اور اپنی ذہانت اور حاضر دماغی اور زورِ علم وسعت مطالعہ سے منکرین معاندین کو شکست دی کہیں مناظر اہلسنّت کا عملی تعاون فرمایا اور کہیں خود مناظرہ کیا اور کہیں مناظرے کی صدارت کی۔ مندرجہ ذیل مناظروں میں آپ نے

سرگرم اور نمایاں کردار ادا کیا۔

١- رائے پور ضلع لکھیم پور کھیری
٢- باندو چترا ضلع پلوچوں
٣- میہن گاؤں ضلع بستی
٤- سیتاپور
٥- جھریا ضلع دھنیا
٦- کٹک، اڑیسہ
٧- بجرڈیہہ، بنارس
٨- سعدی پور، ضلع فتح پور
٩- بدایوں

بیعت وخلافت:

دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے ایک جلسہ منعقدہ ١٣٥٩ھ میں صدر الشریعہ مبارک پور تشریف لائے اور فقیہہ اعظم نے آپ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا اس طرح آپ بیعت وارادت سے سرفراز ہوئے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ١٧ رمضان المبارک ١٣٨١ھ ''النور البہاء'' از امام احمد رضا قادری بریلوی میں درج پچیس سلاسل قرآن حدیث وسلاسل اولیاء اللہ کی تحریری اجازت کے ساتھ سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی بھی اجازت مرحمت فرمائی جو ''الاجازات المتینہ'' از حضرت ابو الحسین نوری میاں میں مسطور ہیں۔

اور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں نے بھی عرس قاسمی سن ١٤٠٤ھ کے موقع پر بلا طلب اپنے خاندان کے تمام سلاسل کی اجازت مرحمت فرمائی

شوال سن ١٣٦٧ھ بمطابق ١٩٤٨ء میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کی درخواست پر آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اجازت دی

اور ان تمام اجازتوں کے باوجود فقیہ اعظم نے بہت تھوڑے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کو بیعت فرمایا اور آپ کے خلفاء کی تعداد بھی مختصر ہے۔

اسلامی غیرت وحمیت:

اسلام اور پیغمبر اسلام پر اگر کسی بد باطن نے کبھی قلم اور زبان کے ذریعے ہرزہ سرائی کی آپ نے اس کا بھرپور تعاقب کیا اور اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعہ ردّ بلیغ فرمایا۔

انتقال پرملال:

دنیائے اسلام کا یہ عظیم شہسوار ٦ صفر المظفر بروز جمعرات ١٤٢٠ھ بمطابق ١١ مئی ٢٠٠٠ء داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے خالق حقیقی سے جاملا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کے مرقد انور پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے اور تا قیامت ان کے فیضان کو جاری وساری فرمائے آمین۔

زیر نظر کتابچہ، دراصل حضرت موصوف کا عظیم علمی ذخیرہ ''نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری'' سے ماخوذ ہے۔ قرآنی آیات واحادیث کی تخریج میں رئیس دار الافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت، مخدوم ومحترم حضرت علامہ مولانا مفتی عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی رہنمائی لی گئی ہے۔ کسی کسی مقام پر نہایت ہی مختصر مگر جامع حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ ادارہ ان کا مشکور وممنون ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مفتی صاحب کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائیں اور انہیں دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں مزید حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے آمین۔

محمد عرفان قادری ضیائی

ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

Ishaat Islam

سیرت مبارکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

مولد ومسکن

حضرت امام اعظم سن ۷۰ھ میں کوفے میں پیدا ہوئے۔کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود یہ فرمایا ہے کہ دو بار مصر وشام جانے کا اتفاق ہوا، چار مرتبہ بصرہ گیا، کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کرسکتا۔اگر کوفے میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد ورفت کیوں ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف غدر وبے وفائی کی تعلیم وتمرین کے لئے جاتے تھے۔

پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسّی (۸۰) سال بعد تھی۔اسّی (۸۰) سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا بلکہ صحابہ کرام کا اخیر دور تھا۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ الثَّالِثِ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ[1] الخ کے آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسّی (۸۰) سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کو بحر ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لئے اتنی بار کوفہ گئے ہیں جس کو وہ اپنے محیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کرسکتے تو اسّی (۸۰) سال پہلے دورِ تابعین میں کوفے کے علم وفضل کا کیا حال ہوگا اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے:

[1] یعنی تمام زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو ان سے ملے پھر ان کا جو اُن سے ملے اخرجه البخاری فی صحیحة فی کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ حدیث رقم ٣٦٥١ ومسلم فی صحیحة فی فضائل الصحابة حدیث رقم (٢١٤ ٢٥٣٥) باب فضل الصحابه الخ وابو داؤد فی السنن فی کتاب السنة حدیث رقم ٤٦٥٧ فی فضل أصحاب الخ والترمذی فی السنن فی الفتن حدیث رقم٣٨٥٩ باب فی القرن ونقله ولی الدین العطیب فی مشکاة المصابیح (کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة)

کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے سن ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بسایا۔اس شہر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رأس الاسلام، رأس العرب، جمجمة العرب، عرب کا سر، حتیٰ کہ رمح اللہ، کنز الایمان کہا کرتے تھے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام واہل الاسلام کا لقب دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کنز الایمان، جمجمة الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ کہا۔کوفے کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفے کو اپنا دار الخلافت بنایا۔کوفے والوں نے جس خلوص وسچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا۔وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح تاباں ہے۔

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا۔ جو اسی لئے کوفے میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفے پر کوئی داغ نہیں آسکتا۔کون سی بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے......؟

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس (۱۰۵۰) صحابہ کرام جن میں ستر (۷۰) اصحاب بدر اور تین سو (۳۰۰) بیعت رضوان کے شرکاء تھے، آکر آباد ہوئے۔جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں اس کی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کرسکتا ہے۔(طبقات ابن سعد وفتوح البلدان وغیرہ)

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفے کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر ہر گھر دار الحدیث، دار العلوم بن گیا تھا۔حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ جس عہد میں پیدا ہوئے یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔یہی وجہ ہے کہ امامِ بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کرسکتے تھے۔اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفے کے ہیں۔

اُس وقت کے مشاہیر

حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفے میں جو آئمہ مشاہیر ومقتداء وقت تھے ان میں چند یہ ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی فقیہہ عراق

فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کا صیرفی الحدیث خطاب تھا۔ یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ، کوفہ، حجاز، شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری، ابن سیرین، ان سے اعلم نہیں تھے (حاشیہ خلاصۃ التھذیب)۔ انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابوالمثنیٰ نے کہا کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل وکمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں (تہذیب التہذیب)۔ حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے سن ۵۰ھ میں پیدا ہوئے سن ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس (۲۶) سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی

متوفی سن ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ، پانچ سو (۵۰۰) صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا، واللہ یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کُہَیل

جندب بن عبداللہ، ابن ابی اوفی، ابوطفیل اور بہت صحابہ ؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں یہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

ابواسحاق سبعی

اڑتیس (۳۸) صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں جن میں مشاہیر یہ ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم ؓ۔ علی بن المدینی نے کہا کہ ابواسحاق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔

سماک بن حرب

اسی (۸۰) صحابہ سے ملاقات کا ان کو شرف حاصل ہے امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار

متوفی سن ۱۱۶ھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر ؓ سے روایت کی ہے۔ یہ کوفے کے قاضی بھی تھے آئمہ حدیث ان کے مداح اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر

حواری رسول اللہ حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن عیینہ ان کے تلامذہ سے تھے۔ ان کی جلالت شان متفق علیہ ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مؤخر الذکر سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ وسفیان ثوری کے استاذ ہیں ان کی پیدائش سن ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں ہوئی اور وصال سن ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ میں ہوا۔

Ishaate Islam

حماد بن ابی سلمان فقیہ عراق

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے آئمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو متوارث علوم چلے آرہے تھے۔ ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ، مسعر وغیرہ انہیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا سن ١٢٠ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کے مسند پر یہ بیٹھے۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام المحدثین یہ فرمایا کرتے تھے مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ، حرام وحلال کے لئے کوفہ ہے۔ (معجم البلدان، ج ٤، ص ٤٩٣، ذکر کوفہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کوفے ہی میں تھے۔ جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے۔ ان کا وصال سن ٨٧ھ میں ہوا۔ حضرت امام اعظم کو ان کی حیات مبارکہ کے سترہ (١٧) سال نصیب ہوئے۔

کوفے کو مرکز علم وفضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس (١٠٥٠) صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی[1] ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] اورانہی کیلئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر میں ان پر بغیر مشورہ کے کسی کو امیر بناتا، تو ابن ام عبد یعنی ابن مسعود کو امیر بناتا، رواہ الترمذی فی السنن حدیث رقم ٣٨٠٩ وابن ماجہ حدیث رقم ١٣٧ واحمد فی المسند ١٠٧/١ اور یہ بھی فرمایا، ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں تو تم اس کی تصدیق کرو، رواہ الترمذی فی السنن حدیث رقم ٣٧٩٩، دونوں حدیثیں امام ولی الدین نے مشکاۃ المصابیح کتاب المناقب، باب جامع المناقب، فصل ثانی میں نقل کی ہیں اور آپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی قبل اسلام لائے آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زید مسلمان ہوئے، آپ خود فرماتے ہیں، میں چھٹا مسلمان ہوں اور اس وقت ہمارے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی مسلمان نہ تھا جیسا کہ علامہ ابن اثیر کی کتاب ''اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ٣، ص ٣٥٨'' میں حضرت ابن مسعود کے ترجمہ میں مذکور ہے۔

رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ وَسَخِطْتُ لِأُمَّتِي مَا سَخَطَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ۔ (الاستيعاب)

یعنی، میری امت کے لئے ابن مسعود جو پسند کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں اور جو وہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

ان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفے کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا اسی عہد میں انہوں نے کوفے میں علم وفضل کے دریا بہائے۔

اسرار الانوار میں ہے، کوفے میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لئے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے ہیں تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا انہیں دیکھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوش ہوکر فرمایا، ابن مسعود! تم نے کوفے کو علم وفقہ سے بھر دیا تھا تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو (١٣٠٠) سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہورہے ہیں خواہ علم حدیث وخواہ علم فقہ۔ اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کردیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ (٦) قاضی تھے۔ ان میں سے تین (٣) مدینہ میں تھے عمر، ابن بن کعب، زید اور تین (٣) کوفے میں علی، ابن مسعود، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (حاکم)

امام مسروق نے کہا میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ (٦) کو منبع علم پایا۔ عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابوالدرداء، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھؤں کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ حضرت علی اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کر اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ذرّے ذرّے کو چمکا دیا۔

(اعلام الموقعین لابن قیم، امام غیر مقلدین)

زمانہ

اوپر گزر چکا کہ امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ صحابہ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی تھا۔ اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابہ کرام باحیات تھے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اس کو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام اعظم ؓ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ سن ۷۰ھ یا سن ۸۰ھ زیادہ تر لوگ سن ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے سن ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر سن ۸۰ھ میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف دیار میں باحیات تھے۔

۱- حضرت انس بن مالک، بصرہ میں، متوفی ۹۲ھ، یا ۹۳ھ

۲- حضرت مالک بن الحویرث، بصرہ میں، متوفی ۹۴ھ

۳- حضرت سہل بن سعد ساعدی، مدینے میں، متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔ مدینہ طیبہ میں وفات فرمانے والے صحابہ کرام میں آپ سب کے اخیر ہیں۔

۴- مالک بن اوس، مدینے میں، متوفی ۹۲ھ

۵- حضرت واثلہ بن الاسقع، شام میں، متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ

۶- مقدام بن معدیکرب، شام میں، متوفی ۸۷ھ

۷- حضرت ابوامامہ باہلی حمصی، شام میں، متوفی ۸۶ھ

۸- ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ، بروایتے مکہ میں، متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ

۹- حضرت عمرو بن حریث، کوفے میں، متوفی ۸۵ھ

۱۰- حضرت عبداللہ بن اوفی، کوفے میں، متوفی ۸۷ھ۔ کوفے میں وصال فرمانے والے صحابہ

کرام میں سب سے آخر ہیں۔

۱۱- حضرت ابوامامہ انصاری، متوفی ۱۰۰ھ

۱۲- حضرت سائب بن خلاد، متوفی ۹۱ھ

۱۳- حضرت ابوالبداح، متوفی ۱۱۷ھ

۱۴- محمود بن ربیع، متوفی ۹۱ھ

۱۵- محمود بن لبید، متوفی ۹۶ھ

۱۶- قبیصہ بن ذویب، متوفی ۸۶ھ

۱۷- حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری، متوفی ۸۱ھ

۱۸- حضرت عبداللہ بن جزء، مصر میں، متوفی ۸۵ھ

۱۹- سائب بن یزید، متوفی ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۹۱ھ یا ۹۴ھ

(اسد الغابہ، ج ۲، ص ۳۲۲، اصابہ، ج ۲، ص ۱۳)

بر بنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید براں صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

۲۰- حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، مدینے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۱- حضرت ابوسعید خدری، مدینے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۲- حضرت سلمہ بن اکوع، مدینے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۳- حضرت رافع بن خدیج، مدینے میں، متوفی ۷۳ھ

۲۴- حضرت جابر بن سمرہ، کوفے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۵- حضرت ابوجحیفہ، کوفے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۶- حضرت زید بن خالد، کوفے میں، متوفی ۸۷ھ

۲۷- حضرت محمد بن حاطب، بروایتے کوفے، بروایتے مکے میں، متوفی ۷۴ھ

۲۸- حضرت ابوثعلبہ خشنی، متوفی ۷۵ھ

۲۹- حضرت عبداللہ بن بُسر، متوفی ۷۴ھ

۳۰- سائب بن خباب، متوفی ۷۷ھ (اسد الغابہ، ج۲، ص۳۱۳)

اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی۔ ان میں سے کم از کم سات (۷) صحابہ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے۔ حضرت انس کی، ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے فرمایا کہ وہ سرخ خضاب استعمال کرتے تھے حضرت عبداللہ بن اوفی کو جن کا ۸۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ اور عمر بن حریث ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزء اور واثلہ بن اسقع ﷺ بلکہ بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے اس کے کچھ لوگ اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال سن ۷۴ھ میں ہوا۔ اور حضرت امام کی ولادت سن ۸۰ھ میں ہوئی ہے لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین (۳) اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوجحیفہ، حضرت زید بن خالد ﷺ۔ اور حضرت محمد بن حاطب ﷺ نے ایک قول کی بناء پر کوفے ہی وصال فرمایا اس قول کی بناء پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے اس لئے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے اور ان احادیث کے مصداق ہوئے:

طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ وَطُوْبٰی لِمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ[1]

اسے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ وَرَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ[2] (رواہ الترمذی، مشکوۃ، ص۵۵۴)

[1] صحیح ابن حبان حدیث رقم ۷۲۳۰۔

[2] اخرجه الترمذی فی السنن فی کتاب المناقب حدیث رقم ۳۸۵۸ ونقلة ولی الدین الخطیب فی مشكاة المصابیح (کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، الفصل الثانی) حدیث رقم ۶۰۱۳-(۷)۔

اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

خَيْرُ أُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ متفق علیہ[1] (مشکوۃ ص۵۵۳)

میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے آئمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انہوں نے کوفے میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لئے صحابی کی صرف رویت کافی ہے روایت شرط نہیں جیسے صحابی ہونے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کافی ہے خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے:

مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ رَاٰهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ مِنْ اَصْحَابِهٖ[2] (بخاری، ج۱، ص۵۱۵)

جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار ہدایت کا انکار ہے ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی ہے اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں سن ۸۰ھ ہی سن ولادت مانیں جب بھی خود کوفے ہی میں حضرت عبداللہ بن اوفی ﷺ اور دوسرے صحابہ اور

[1] اخرجه البخاری فی صحیحه حدیث رقم ۳۶۵۰، مسلم فی صحیحه فی فضائل الصحابة حدیث رقم (۲۱۴-۲۵۳۵) وأبو داؤد فی السنن حدیث رقم ۴۶۵۷ والترمذی فی السنن حدیث رقم ۳۸۵۹ ونقله الخطیب فی مشكاة المصابیح (کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة الفصل الأول) حدیث رقم ۶۰۱۰-(۴)

[2] صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث رقم ۳۶۴۹

ایک قول کی بناء پر حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ ؓ بھی کوفے ہی میں تشریف فرما تھے۔ تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے اس دور میں مسلمانوں کو صحابہ کرام کی زیارت اور ان سے حصول برکت کا کتنا شوق تھا یہ سب کو معلوم ہے۔ کیا کسی کو اس گمان ہوسکتا ہے کہ حضرت امام اعظم سترہ (۱۷) اٹھارہ (۱۸) یا کم از کم سات (۷) آٹھ (۸) سال کے ہوگئے اور ان کے شفیق والدین نے انہیں صحابی رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا۔ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ مؤخر الذکر مکے ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے اسلئے کہ بر بنائے قول صحیح ان کا وصال سن ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس (۳۰) سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے سن ۹۶ ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے (مناقب للموفق کردری) اور حضرت امام اعظم نے پچپن (۵۵) حج کئے تھے۔ سن ۱۵۰ھ میں دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابوالطفیل کی حیات میں انہوں نے پندرہ (۱۵) حج کئے اور اگر ان کا وصال سن ۱۰۰ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ (۵) حج کئے۔ کون ایسا بد بخت مسلمان ہوگا کہ اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے، حضرت انس ؓ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انس کوفہ تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انس ؓ اور حضرت عبداللہ بن اوفی ؓ کی زیارت کی تصریح کی ہے تفصیل کیلئے "تبییض الصحیفہ"، ص ۴ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں "تہذیب التہذیب" میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس ؓ کو دیکھا ہے علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے "طبقات" میں بھی اس کی تصریح کی ہے نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابونعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبدالبر سمعانی، علامہ عبدالغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ توریشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر، علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کی زیارت کی ہے آئمہ احناف میں سے جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث

یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم ؓ کے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف حضرت امام محمد اس کو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ ان کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے۔ علامہ موفق نے اپنے "مناقب" میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام حنیفہ نے فرمایا میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ[1]

نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ "مناقب موفق" کا مطالعہ کریں ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں جو حضرت امام اعظم نے حضرت انس ؓ سے براہ راست سنی ہیں۔

اس کے علاوہ "مسند حصکفی"، میں "جامع بیان العلم فتح المغیث للسخاوی" میں متعدد ایسی

[1] تبییض الصحیفة بمناقب الإمام أبي حنيفة ذكر ما روى الإمام أبي حنيفة عن الصحابة ؓ ص۲۷ مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ- ومسند الإمام أبي حنيفة باب العين، روايته عن علقمة بن مرثد، ص۱۵۰-۱۵۱، مطبوعة: مكتبة الكوثر، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ اور یہی حدیث حضرت انس ؓ سے کئی اور واسطوں سے مروی ہے اور کتب احادیث میں مذکور ہے جیسا کہ "تبییض الصحیفہ" کے حاشیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

احادیث کی نشاندہی کی ہیں جنہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست سنی ہیں۔

اس لئے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور روایت وزیارت کا ثبوت ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے۔

تعلیم

حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ ستمگر حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ چونکہ پیشوایانِ مذہب آئمۂ وقت حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے اس لئے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہاء، محدثین اگرچہ علم فقہ وعلم حدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف تھے مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف رہے اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کرلیا تھا۔ مسلمانوں کی خوش بختی کہ سن ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک مرگیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا سعادت ازلی نے اس کی رہنمائی کی کہ اس نے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد کرگیا۔ یہ سن ۹۹ھ میں مرگیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے انہی مسند خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے جہاں ملک کو سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا وہیں احادیث نبویہ وقضایا صحابہ کی تلاش، جستجو اور جمع وتدوین اور نشر واشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ جس کی قدرے تفصیل گزرچکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا۔ حضرت امام ایک دن بازار جارہے تھے۔ راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا حضرت امام جب ان کے مکان سے گزرے تو امام شعبی نے ان کو بلایا اور پوچھا کس سے پڑھتے ہو انہوں نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا تم میں استعداد کے جوہر نظر آرہے ہیں علماء کے پاس بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا پھر پوری توجہ اور

اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہوگئے۔

ابتداء حضرت امام کی توجہ علمِ کلام پر تھی۔ علمِ کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن وحدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریئے کی تردید مراد ہے لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام وخواص، حکام وقضاۃ وزُہّاد سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقے پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے؟ یہ خود نہ بتا سکے اس سے کہا کہ حضرت حماد سے جاکر پوچھ لے اور وہ جو بتائیں مجھے آکر بتادینا حضرت حماد کا گھر قریب ہی تھا تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا حضرت امام اعظم فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غیرت ہوئی اور اُٹھا حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

تحصیل حدیث

احناف کی کتب فقہ واصولِ فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتاب اللہ، احادیثِ رسول اللہ پھر اجماعِ امت پر علی الترتیب ہے سب پر مقدّم کتاب اللہ ہے کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدّم ہے اگرچہ وہ صراحۃً نہ ملے اشارۃً ملے اور اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استفسار پر عرض کیا تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بے پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کروگے انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا! اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو،

عرض کیا! اجتهد برائی پورا غور خوض کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(مشکوٰۃ[1] رواہ الترمذی[2] وابوداؤد[3] والدارمی[4] ص۳۲۴)

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کی فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبرِ واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔ ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں امام عبدالوہاب الشعرانی فرماتے ہیں ابو مطیع نے کہا: میں کوفے کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ تھا کہ حضرت امام جعفر صادق، سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن مسلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے ان حضرات نے، حضرت امام ابو حنیفہ سے کہا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کیۓ اور صبح سے زوال کے پہلے تک ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا! میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں، پھر سنت پر، پھر صحابہ کے متفقہ فیصلے پر پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو اس پر، اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے جس کے

---

[1] مشکاة المصابیح، کتاب الامارة، باب العمل فی القضاء والخوف منه، الفصل الثانی، حدیث رقم ۳۷۳۷-(۷) وأیضا رواه أحمد فی المسند، ۵/۲۳۰۔

[2] سنن الترمذی، کتاب الأحکام، باب: ماجاء فی القاضی کیف یقضی، حدیث رقم ۱۳۲۷۔

[3] سنن أبی داؤد، کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرأی فی القضاء، حدیث رقم ۳۵۹۲۔

[4] سنن الدارمی، باب من هاب الفتیا و کره التنطع والتبدع، حدیث رقم ۱۷۰

نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا:

أنت سید العلماء فاعف عنّا فیما مضی منّا من وقیعتنا فیك بغیر علم فقال غفر اللّٰه تعالی لنا ولکم أجمعین

آپ علماء کے سردار ہیں اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے اسے معاف کر دیں امام نے فرمایا اللہ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کی بھی اساس ہیں اس لئے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور کے ساتھ جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا کوفے کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔ اسی لئے موصوف کوفہ اتنی بار گئے کہ خود فرمایا شمار نہیں کر سکتا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض وعناد کی بناء پر کوفے سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفے کے ان مشاہیر کی تعداد تیرہ (۱۳) بتائی ہے جن سے امام بخاری کو شرفِ تلمذ حاصل ہے جبکہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ (۶) اور مکہ معظمہ کے صرف پانچ (۵) اور بغداد کے صرف چار (۴) بتا سکے ہیں۔ (سیرت بخاری، ص ۲۵-۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ اسّی (۸۰) سال کے بعد جب کوفے کا یہ حال تھا تو اسّی (۸۰) سال پہلے عہد تابعین میں کوفے کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو وہ بھی ان منتخب سابقین اولین سے جن میں ستر (۷۰) بدری اور تین سو (۳۰۰) اصحاب بیعتِ رضوان تھے پھر جب باب العلم حضرت علی، حضرت سعد بن وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود باجود سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث

ہونے کے لئے امام بخاری بھی اسی شہر کے تمام بلاد اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتداء یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابوالمحاسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے (۹۳) وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے ساکن تھے یا کوفے میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ اور یہ تو کوئی بھی ''تہذیب الاسماء''، ''تذکرۃ الحفاظ'' وغیرہ کا مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفے کے ایسے انتیس (۲۹) محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہ مسلم الثبوت آئمہ محدثین ہیں کہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلہ اسناد میں ان میں کے اکثر بزرگ ہیں حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث میں، امام شعبہ بھی ہیں انہیں وہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا۔ یہ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ سن ۱۶۰ھ میں وصال ہوا جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ آج علم حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا، غائبانہ ان کی ذہانت و نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ (عقود الجمان، باب دہم)

کوفے کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرے کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درسگاہ تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا علامہ ذہبی جیسے مبصر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرے یا کوفے ہی کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد

رفت رکھنے والے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں مگر امام اعظم ہونے کے لئے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ گزر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے سن ۹۶ھ میں کیا تھا اور عمر میں پچپن (۵۵) حج کئے سن ۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ سن ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔ اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم پچپن (۵۵) بار سن ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے۔ یہ تابعی ہیں دوسو (۲۰۰) صحابہ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ، جابر، زین بن ارقم، عبداللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی احادیث سنی ہیں یہ محدث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو جاتا تھا کہ عطاء کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے (رضی اللہ عنہم)۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے ان کا عقیدہ پوچھا امام اعظم نے کہا: میں اسلام کو برا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں کہتا، ایمان بالقدر رکھتا ہوں، اس کے بعد حضرت عطاء نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت و فطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطاء ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے یہاں تک عطاء دوسروں کو ہٹا کر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطاء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال سن ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں، یہ حضرت علی ابوہریرۃ، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابو

قتادہ، ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں تقریباً ستر (۷۰) مشاہیر آئمہ تابعین تفسیر وحدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکزِ علم وفن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیائے اسلام کے آئمہ حدیث وتفسیر وفقہ حرمین طیبین میں اکٹھے ہوجاتے اس لئے حج کے ایام میں ان سب سے اخذِ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔ اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ مکہ معظمہ ہی میں امامِ شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہوگئی اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شامِ حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا یہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم ؓ کے پوتے حضرت عبداللہ ؓ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفے سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود رہے مگر اسکی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار (۴۰۰۰) شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداء حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت، امام اوزاعی کی خدمت میں علمِ حدیث کی تحصیل کے لئے پہنچے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کوفے میں ابوحنیفہ کون ہیں؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا، واپس چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے، سرورق لکھا تھا

"قال نعمان بن ثابت" ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے، پھر ان سے پوچھا یہ ''نعمان'' کون ہیں انہوں نے کہا: عراق کے ایک صاحب ہیں جن کی صحبت میں، میں رہا ہوں، فرمایا: یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جب حج کے لئے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہیں مسائل کا ذکر آیا امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے، امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا: ان کے فضل و کمال نے ان کو محسود بنادیا ہے مجھے یقین ہوگیا میری بدگمانی غلط تھی اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں امام باقر نے امام اعظم سے کہا: وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث ردّ کرتے ہو، امام اعظم نے عرض کیا: معاذ اللہ! حدیث کو کون ردّ کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا: حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت،...... عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا: مرد کا،...... عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا،...... پھر عرض کیا: نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا: نماز،...... عرض کیا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضاء بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضاء ضرور کرے۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اُٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی، حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتساب فیض فرمایا ہے۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت

بدنداں ہوجاتے تھے۔محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خضیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے حاضر ہوئے خضیب نے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہوگئے اور اپنے برابر بٹھایا۔امام صاحب نے پوچھا کہ شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں کیا حدیث ہے؟ خضیب نے کہا:
أَخْبَرَنِیْ اَبُو عُبَیْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، فِیْ بَیْضَةِ النّعامِ یُصِیْبُهَا الْمُحْرِمُ انَّ فِیْهِ قِیْمَتَهَا۔

مکہ معظّمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے۔عمر میں حضرت امام سے تیرہ (۱۳) سال چھوٹے تھے مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا ان سے بھی حدیث حاصل کی۔امام اعظم جب ان کی مجلس میں بیٹھتے تو نہایت مؤدب بیٹھتے اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

ابتداء میں لوگ امام اعظم کی طرف متوجہ نہ ہوئے مگر دن بدن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہوگیا جب حج کے لئے جاتے تو اطراف واکناف میں دھوم مچ جاتی کہ ''فقیہ عراق'' عرب جا رہے ہیں جس شہر میں جس بستی پر گزر ہوتا ہزاروں ہزار کا مجمع اکٹھا ہوجاتا۔
ایک بار مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو فقہاء، محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے، پریشان ہوکر امام اعظم نے کہا: کوئی ہمارے میزبان سے جاکر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کردیتے تو اچھا تھا، ابو عاصم نبیل موجود تھے انہوں نے کہا میں جاکر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرمادیں۔
امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلاکر پوری توجہ سے سوالات سنے، جوابات دیئے، ابو عاصم سے فارغ ہوکر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟ ابو عاصم وہیں موجود تھے، عرض کیا: میں نے وعدہ کیا تھا، فرمایا: تم گئے نہیں، ابو عاصم نے منھ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ ابھی جاؤں گا، امام نے فرمایا: عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عوام کی غرض

ہوتی ہے یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی امام اعظم نے ایک فقہی کلیہ بیان فرمادیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احادیث اجلۂ تابعین سے لی ہیں تابعین میں انہیں سے حدیث لی جو مدت صحابی کی صحبت میں رہے۔تقویٰ، علم وفضل، زہد وورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے اگر معدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ ونادر ہیں حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں انکی قوتِ اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھادیا تھا یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔

ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کیلئے نکلے مغرب کا وقت ہوگیا پانی ساتھ نہ تھا تلاش کیا مگر نہیں ملا۔حماد نے فتویٰ دیا کہ تیمّم کرلیا جائے امام اعظم نے کہا اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا سب نے وضو کرکے نماز پڑھی۔

امام شعبی اس کے قائل تھے کہ معصیّت میں کفارہ نہیں۔ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جارہے تھے یہی مسئلہ چھڑ گیا امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا﴾ الاية (المجادلة: ۲/۵۸)

یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے امام شعبی نے جھنجھلا کر کہا:

أَقَيَّاسٌ اَنْتَ کیا تم بہت قیاس کرنے والے ہو (عقود الجمان، باب ثامن)

عطاء بن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

﴿وَاٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ الاية (الأنبياء: ۸۴/۲۱)

اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب کی جورو اولاد جو مرچکی تھی وہ زندہ کردی اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کردی۔حضرت امام اعظم نے کہا: جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہوگا۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد

حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کے سب سے بڑی، سب سے روشن، سب سے قوی، دلیل فقہ حنفی ہے فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو اٹھا کر دیکھو، اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اُٹھا کر دیکھو، جن جن ابواب جن جن مسائل میں صحیح، غیر مؤل، غیر منسوخ، کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں فقہ حنفی ان سب کے مطابق ہے اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی ''معانی الآثار''، علامہ عینی کی بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری''، ابن ہمام کی ''فتح القدیر'' کا مطالعہ کرے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعۂ فتاویٰ، ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ کرے، میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہوجائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح سفر السعادت'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام ابوحنیفہ نے سنی تھیں آپ نے تین سو (۳۰۰) تابعین سے علم حاصل کیا آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ ''مسند خوارزمی'' میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

امام بخاری و مسلم وغیرہما محدثین کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا: امام حدیث ابوحنیفہ ثقہ تھے۔ (تهذيب التهذيب، ج۲، ص۵۰)

انہیں کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں، وہ کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہوئے۔ (تذكرة الحفاظ، ج۱، ص۱۵۲)

امام ابوداؤد صاحب سنن نے فرمایا: امام ابوحنیفہ امام شریعت تھے۔

(تذكرة الحفاظ، ج۱، ص۱۵۲)

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: امام ابوحنیفہ حدیث وفقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں۔ (الخيرات الحسان، ص۱۳)

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے، ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی نیز فرمایا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مسامحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے، فرمایا: ہرگز نہیں (الخیرات الحسان، فصل ۱۴۸)

اسرائیل بن یوسف نے کہا: امام ابوحنیفہ بہت اچھے شخص تھے، حدیث کو کما حقہ یاد رکھتے ان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔ (الخيرات الحسان، فصل ۱٤۸)

امام یحییٰ بن معین سے کسی نے دریافت کیا امام ابوحنیفہ کیسے ہیں؟ فرمایا: ثقہ ہیں، میں نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو۔ (بنايه شرح هدايه، ج۱، جزء اول، ص۷۹)

شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے، ہمارے لئے احادیث کی روایت کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی وہ اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے صحیح احادیث بیان فرماتے۔

یزید بن ہارون نے کہا: میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیزگار نہ پایا۔ (تبييض الصحيفه، ص۲۱)

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، یہ اَعْظَمُ النَّاس کہیں اور امام بخاری بَعْضُ النَّاس۔

ابومحمد بن عیاش نے کہا، ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا، میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں، مگر علم وعقل میں ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم کی برائی کی، تو فرمایا، تم علماء میں ایک ان کا مثل دکھاؤ، ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو ہمیں عذاب میں مت

ڈالو۔ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، میں ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رُتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا۔اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا، نیز فرمایا، امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے، اور فرمایا، ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو، اگر ابوحنیفہ تابعین میں سے نہ ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے (موفق کردری)۔ نیز فرمایا، خدا کی قسم! ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے وہی کہتے تھے جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے احادیث ناسخ و منسوخ کے بہت ماہر تھے معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کرلیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے:

لو لا أن اللّٰه تعالى أغاثني بأبي حنيفة و سفيان كنتُ كسائر النّاس

(تهذيب التهذيب، جزء عاشر، ص ٤٥٠)

اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے ''جزء رفع یدین'' میں فرمایا، اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کی اتباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عینیہ نے کہا، عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شعبی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری نظروں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے کہا، امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء میں سے تھے۔

غور کریں......، اس زمانے میں، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبداللہ بن مبارک، وغیرہم، سیکڑوں محدثین موجود تھے انہوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ علم والا (یعنی اعلم) کہا۔ یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن سے امام بخاری کو

گیارہ (۱۱) ثلاثیات نصیب ہوئیں۔ (تبييض الصحيفه، ص۱۸)

امام مالک نے امام شافعی سے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابوحنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

(الخيرات الحسان)

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی۔ بالآخر یہ کہا، ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ انہوں نے جو مختلف دیار و امصار کے کثیر التعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں۔(مناقب کردری)

خلف بن ایوب نے کہا: ابوحنیفہ نادر الوجود شخص ہیں اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں پھر ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں۔

(کردری و تبييض الصحيفه، ص۲۳)

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں امام ابو حنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں (ایضا)

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔ (مناقب للموفق و کردری)

ابوعلقمہ نے بیان کیا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثیں امام اعظم ابوحنیفہ پر پیش کیں تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا، اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔ (مناقب للموفق و کردری)

یہ وہ اجلہ آئمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو دروغ گو کہہ دیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہو جائے انہوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا وہ سن چکے انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد متدین ہی نہیں حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے ان کو ان کے ان اقوال میں بھی

صدوق تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

بشارت نبوی

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طبرانی "معجم کبیر" میں شیرازی[1] "القاب" میں، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز طبرانی اسی "معجم" میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا:

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ[2]

(بخاری[3]، مسلم[4]، ترمذی[5]، مناقب النجم ص ۲۳۲)

دوسرے طریقے پر یہ الفاظ ہیں:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ۔ أَوْ قَالَ: مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ، حَتّٰى يَتَنَاوَلَهٗ۔ (مسلم[6]، فضائل صحابہ، ص ۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور ان کے اصحاب......

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ مَنُوْطًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ فَارِس۔

(ترمذی[7] تفسیر سورہ محمد، ص ۱۵۸)

1. وہ حافظ الامام الجوال ابوبکر احمد بن عبد الرحمٰن بن احمد الفارسی ہیں جنہوں نے امام طبرانی وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا، ابن مندہ نے کہا کہ شیرازی کا انتقال شوال ۴۰۷ھ میں ہوا، اسی طرح تذکرۃ الحفاظ میں ہے۔
2. مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الأول، حديث رقم ٦٢١٢-(١٧)
3. صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب ومن سورة محمد، حديث رقم ٤٨٩٧، ٤٨٩٨۔
4. صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس، حديث رقم(٢٣١-٢٥٤٦)۔
5. سنن الترمذی، كتاب التفسير، باب: ومن الجمعة، حديث رقم ٣٣١٠۔
6. صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس، حديث رقم(٢٣٠-٢٥٤٦)۔
7. سنن الترمذی، كتاب التفسير، باب: ومن الجمعة، حديث رقم ٣٢٦١۔

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث الالقاب للشیرازی میں یوں ہے:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَالَهٗ قَوْمٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں:

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَاتَنَالُهُ الْعَرَبُ لَنَالَهٗ رِجَالُ فَارِسٍ ۔

اسی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں ہے:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَالَهٗ نَاس مِّنْ أَبْنَاءِ فَارِسٍ ۔

ابو نعیم نے خود حضرت سلمان فارسی سے یہ حدیث یوں تخریج کی:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ يَّتَّبِعُوْنَ سُنَّتِيْ وَيُكْثِرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ ۔

چار (۴) صحابہ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی ہے کہ اگر ایمان، دین، علم، ثریا کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کے مصداق امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں "تبییض الصحیفہ" ص ۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قد بشر صلى الله عليه وسلم بالامام ابی حنيفه فی الحديث الذی اخرجه ابو نعيم فی "الحلية" عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ (إلى أن قال) فهذا أصل صحيح يعتمد عليه فی البشارة والفضيلة

رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہ کو اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے پھر اس حدیث کے مختلف حوالہ جات دے کر فرماتے ہیں یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد "سیرت شامی" کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی۔ "رد المحتار" میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

Ishaate Islam

فی حاشیة الشبراملسی علی المواهب عن العلامة الشامی تلمیذ السیوطی قال ما جزم به شیخنا من أن أبا حنیفة هو المراد من هذا الحدیث ظاهر لا شك فیه لأنه لم یبلغ من أبناء فارس فی العلم مبلغه أحد۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۳۷)

مواہب کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں بالکل ظاہر ہے اس میں کچھ شک نہیں اس لئے کہ ابناء فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی ''الخیرات الحسان'' میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی الله علیه وسلم حیث أخبر بما سیقع (ص ۱۰)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر

اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو بہت متداول متعارف ہے اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی قاری کی ہے جو بآسانی ہر جگہ ملتی ہے حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے جو چھپ گئی ہے۔

العالم والمتعلم

اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی اور نہ کہیں پتہ چلتا ہے کہ کہیں موجود ہے ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں

کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الابسط، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ امام ابی

عثمان البیتی فی الارجاء، کتاب الرائ، اسے ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے کتاب اختلاف الصحابہ، اسے ابو عاصم عامری اور مسعود بن شبیہ نے ذکر کیا ہے کتاب الجامع، اسے عباس بن مصعب نے ''تاریخ مرو'' میں ذکر کیا ہے مکتوب وصایا۔

مسانید

حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے ان کتب کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی سن ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا ہے کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جنہیں علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے جمع کئے تھے اکٹھا کر دیا ان کی تفصیل یہ ہے:

۱- مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔
۲- مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد
۳- مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ
۴- مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی
۵- مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری
۶- مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی
۷- مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی
۸- مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی
۹- مسند امام ابو یوسف قاضی القضاۃ
۱۰- مسند امام محمد
۱۱- مسند حماد بن امام ابوحنیفہ
۱۲- آثار امام محمد

Ishaate Islam

۱۳- مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی

امام خوارزمی وہ مسانید کو شمار کرائے جن کو انہوں نے یکجا کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں جیسے مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند امام حصکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے مسند ماوردی، مسند ابن البزاری متوفی ۸۲۷ھ۔ ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد

امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کردی ہیں اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کیے ہیں ''تانیب الخطیب'' میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس (۲۱) بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسیٰ جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم تک متصل تحریر کیا ہے۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی، ''سیرت شامیہ کبریٰ'' کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے ''عقود الجمان فی مناقب النعمان'' میں حضرت امام اعظم کی سترہ (۱۷) مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین (۳) مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعے سے مشرف ہوا جن پر حفاظِ احادیث کے توثیقی دستخط تھے جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں۔

کوثری صاحب نے ''تانیب الخطیب'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر، حضر میں ساتھ رکھتے تھے، مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے جن کے رواۃ ثقہ، فقہاء، محدثین ہیں۔

علامہ ذہبی نے ''مناقب الامام الاعظم'' میں کہا، امام الاعظم سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے جن کا شمار نہیں۔

علامہ مزّی نے ''تہذیب الاکمال'' میں ایک سو (۱۰۰) کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے جامع المسانید دیکھیں۔ سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ آئمہ حدیث ہیں جو آئمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

خصوصیت

حضرت امام اعظم کے مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں حضرت امام اور حضور اقدس ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا جن میں صدق وامانت، اور ثقہ ہونا اغلب تھا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علوِ سند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کی اس لئے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائط جتنے زیادہ ہونگے خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور وسائط جتنے کم ہوں گے توہم یا کسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے۔

جرح وتعدیل میں حذاقت

کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جرح وتعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بطور سند پیش کرتے ہیں امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کرسکتا ہے؟ انہوں نے اپنی جامع کتاب ''العلل'' میں امام اعظم کا قول، عطاء بن رباح کی تعدیل اور جابر جعفی کی جرح میں تحریر کیا۔ ''مدخل لمعرفۃ''، ''دلائل النبوۃ للبیہقی'' میں ہے ابوسعد سقانی نے امام اعظم کے

سامنے کھڑے ہوکر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدیث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا وہ ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو، البتہ جو احادیث ابو اسحاق عن الحارث کے یا جابر جعفی کے واسطے سے ہوں انہیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا، طلب بن حبیب قدری ہے، عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے میں جب کوفے پہنچا تو امام ابوحنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابو محمد ہے یہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے بتائی ورنہ صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا، عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ فرمایا، جہم بن صفوان، مقاتل بن صفوان کو اللہ عزوجل ہلاک کرے ایک نے نفی میں افراط کی دوسرے نے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا، کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ لفظ اَخبَرَنَا وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں، ابو قطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بطورِ سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حَدَّثَنِیْ کے لفظ سے روایت کر سکتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے پائجامہ پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب

میں نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیئے ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضیح و تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر طالب انصاف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں؟

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے مثلاً ابھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کی وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے روایت باللفظ ضروری جانتے تھے اس لئے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے مگر یہ ایسا لازم ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے انہیں چھ لاکھ (۶۰۰،۰۰۰) احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ (۱۰۰،۰۰۰) صحیح یاد تھیں مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں وہ آپ معلوم کر چکے غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار (۲،۵۰۰) سے کچھ زیادہ ہیں کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے منقح مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے یہ آگے آرہا ہے اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

یہ صحیح ہے کہ محدثین سے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کئے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا:

الناس عیال فی الفقه علی أبی حنیفة من لم ینظر فی کتبه لم یتبحر فی العلم ولا یتفقه۔ (تبییض الصحیفه)

یعنی، سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تبحر نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الأهم فالأهم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے حضرت خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال وکوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے اعلم خلفاء راشدین ہیں مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے یہ صرف وہی الأهم فالأهم میں مصروفیت سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ حنفی کا تعارف ہے اس لئے کہ شرح[1] میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا جزئیات کے ضمن میں فقہ حنفی کا مفصل تعارف موجود ہے مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی اس لئے بقدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ

جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کسے انکار ہے مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ الاية (التوبة:٩/١٢٢)

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل پڑیں ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تا کہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط﴾ الاية (البقرة: ٢/٢٦٨)

١ شرح سے مراد نزہۃ القاری شرح بخاری ہے اور فقیہ الہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ نے امام اعظم کا یہ تذکرہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے جسے عوام الناس کی افادیت کی خاطر جمعیت اشاعت اہلسنت کے تحت کتابی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ مفتی عطاء اللہ نعیمی عفی عنہ

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری[1] شریف)

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ رواه أحمد[2] والترمذي[3] وأبو داؤد[4] وابن ماجة[5] والدارمي[6] عن زيد بن ثابت۔ (مشكوٰة[7] شريف)

اس بندے کو اللہ عزوجل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا، کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں، کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ، فقیہ وہ ہے جس کو اس نے پہنچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سن کر اسے کما حقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کما حقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے یہی وہ حدِ فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے محدث کا کام احادیث کو صحت کے ساتھ یاد رکھنا ہے اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشاء کے مطابق سمجھنا ہے پھر اس سے احکام کا

١ أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب العلم، حديث رقم ٧١، باب: من يرد الله الخ
٢ وأخرجه عن زيد بن ثابت: أحمد في المسند ١٨٣/٥۔
٣ أخرجه الترمذي في السنن في كتاب العلم، حديث رقم ٢٦٥٦، وقال حديث حسن۔
٤ أخرجه أبو داؤد في السنن في كتاب العلم، حديث رقم ٣٦٦، باب: فضل نشر العلم۔
٥ أخرجه ابن ماجة في السنن في المقدمة، حديث رقم ٢٣٠، باب: من بلغ علما۔
٦ أخرجه الدارمي في السنن، حديث رقم ٢٣٤، ٢٣٥، باب: الإقتداء بالعلماء۔
٧ مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، حديث رقم ٢٢٨-(٣١)۔

استخراج ہے ان دونوں باتوں کے لئے کتنی وسعتِ علم اور ذکاوت وفطانت کی ضرورت ہے یہ وہی جان سکتا ہے جو فقہ سے آشنا ہو، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے اور فقیہ ہونا آخیر منزل۔ جس کی حرف بحرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر منصف کو ہو جائے گی۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے صحابہ کرام عربی ہی تھے ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا شان نزول سے وہ واقف تھے مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے کہ معانی قرآن رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں اسی لئے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی گئی۔

﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ الآیة

(آل عمران: ۱۶۴/۳)

یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾

(العنکبوت: ۴۳/۲۹)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث گزری کہ بہت سے حامل فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں یہ سب اسی کی طرف رہنمائی ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں بلکہ یہ خشتِ اوّل ہے معراجِ علم اس کا کما حقہ سمجھنا ہے اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورت فقہ

انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع وجزئیات

کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی ومطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند وَمَا لَهٗ وَمَا عَلَیْهِ یاد رکھے۔ تکلیف مَالَایُطَاق ہے اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علمِ دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر واشاعت میں مصروف ہو جس کا صریح حکم سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے کہ فرمایا:

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انہیں یہ حکم ہے:

﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الأنبیاء: ۷/۲۱)

علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ الآیة

(النساء: ۵۹/۴)

اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت واستعداد دی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومطالب سے کما حقہ واقف

ہیں اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے وہ خداداد قوتِ اجتہاد سے احکامِ شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کردیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ، سراج الائمۃ، سراج الامۃ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوالِ صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اُٹھ رہے تھے بد مذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

بنیاد

ہم پہلے خود حضرت امام اعظم ؓ کا قول ذکر کر آئے ہیں کہ جب کوفے کے علماء حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا:

إنی أقدم العمل بالكتاب ثم بالسنّة ثم بأقضية الصحابة مقدّماً ما اتفقوا على ما اختلفوا و حينئذ أقيس۔

("ميزان الشريعة الكبرىٰ" اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت "الخيرات الحسان" ص۲۹ میں تحریر فرمائی ہے من شاء فليرجع اليه)

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابہ کرام کے متفقہ فیصلے پر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) پھر قیاس کرتا ہوں۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

إن أبا حنيفة قال: لا اتبع الرأى والقياس إلا إذا لم أظفر بشیٔ من الكتاب أو السنّة أو الصحابة ؓ۔ (عمدة القارى فى شرح بخارى، ج٤، ص٧١٢)

یعنی، امام ابوحنیفہ ؓ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ حدیث یا صحابہ ؓ سے کچھ نہ ملے۔

فقہ حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنالیا تھا۔

إذا صح الحديث فهو مذهبی۔

یعنی، ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابوحمزہ سکری جو مسلم الثبوت محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

نیز انہیں سے منقول ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر اور انسب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت تک انہوں نے کسی صاحب فضیلت کی تنقیص یا برائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلۂ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے امام ابوحنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو، حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب للموفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ امام ابو یوسف، قاضی القضاۃ، جنہیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابوحنیفہ سے مسائل پر بحث کرلیتے اور جب کوئی منقح فیصلہ ہوجاتا تو میں وہاں سے اٹھ کر کوفے کے محدثین کے پاس جاتا ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس آکر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت

امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے اور کچھ کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں، میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرماتے: ''کوفے میں جو علم ہے اس کا میں عالم ہوں''۔

(عقود الجمان فی مناقب النعمان)

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوفے جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی اخیر رائے قائم کرتے تھے جب کہ اس پر ان کے تلامذہ جی کھول کر مکمل بحث کرلیں جس کو اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا پھر فیصلہ ہوتا اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظِ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے کبھی خفی اور کبھی خفی تر نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں مگر ہوتا صریح ہے جیسے ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾ الاية

(الحشر: ۸/۵۹)

مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں دو باتیں، صریح ہیں ایک یہ کہ فقراء مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھر بار مال تھے پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے مگر یہ مقصود بیان نہیں نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دار الحرب میں محفوظ کرلیں تو وہ کفار کی مِلک ہو جاتا ہے یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن وحدیث سے صریح طور پر ثابت ہو اس کی حیثیت اور ہوگی اور

جو خفی طور پر ثابت ہوگی اس کی حیثیت اور ہوگی یہیں دیکھ لیجئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مالِ غنیمت کے مستحق ہیں یہ ہر شبہے سے بالاتر ہے لیکن اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلاءِ کفار سبب مِلک ہے اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قُرُوْء ہے قُرُوْء کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لئے عدت کا شمار حیض سے ہوگا شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے عدت کا شمار طہر سے ہوگا قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیتِ اول سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟ احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی وقطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی، مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں (یعنی بعید نہیں) اس لئے کہ جو درجہ دو (۲) اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہوسکتا اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی اگر چہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تامُ الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہیں مامور بہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اسائت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولٰی۔

یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ اور ثابت ہونے والے اُمور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرقِ مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں، فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن واحادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں۔ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرق قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ الاية (المزمل: ۲۰/۷۳)

جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ[1] اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز

[1] یعنی، نماز نہیں ہوتی سوائے سورہ فاتحہ کے، حضرت عبادة بن الصامت سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الأذان، حديث رقم ۷۵۶ ، واخرجه مسلم في صحيحه، حديث رقم(۳۴-۳۹۴) واخرجه أبو داؤد في السنن في كتاب الصلاة حديث رقم ۸۲۲وزاد وصاعدا ، واخرجه الترمذي في السنن في ابواب الصلاة حديث رقم ۲۴۷ ،وأخرجه النسائي في السنن في كتاب الإفتتاح حديث رقم ۹۰۶-۹۰۷، وأخرجه ابن ماجه في السنن في كتاب الصلاة واقامة السنة فيها حديث رقم ۲۸۳۷ ، وأخرجه أحمد في المسند ۳۱۴/۵۔

نہیں ہوگی فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض، اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضمِ سورۃ واجب۔ اگر معاذ اللہ! احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہے لہٰذا متروک العمل ہے۔

اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہورہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بوجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں۔ اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:

اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ (مشكوٰة[1]، ص ۱۵۱)

زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

اُم المؤمنین نے فرمایا: اللہ عزوجل ابو عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رو رہے تھے فرمایا یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے[2]۔ اُمّ المؤمنین کی یہ تنقید قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [النجم: ۳۸/۵۳]

[1] مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، الفصل الثالث، حديث رقم ۱۷۴۱-(۲۰)۔

[2] امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں، ہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے (موطا الإمام مالك برواية محمد بن حسن الشيباني، أبواب الجنائز، ص ۱۱۳، مطبوعة: المكتبة العلمية، الطبعة الثالثه)۔

کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔[1]

قرآن واحادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانتدار، ذی فہم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا خاموش رہے گا خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے،

لَا صَلُّوا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اَوْ كَمَا قَالَ

(یعنی، نماز نہیں سوائے سورۃ فاتحہ کے۔)

احناف کے دلیل قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[الاعراف: ٧/٢٠٤]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی ﴿اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلا شبہ شامل۔ اس لئے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بنص قرآنی ثابت۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے

[1] ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تصریح فرمائی چنانچہ آپ نے فرمایا، حسبکم القران: ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں فما قال ابن عمر شیئًا یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر کچھ نہ کہا، مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث، حديث رقم ١٧٤٢-(٢١) و أخرجه البخارى فى صحيحه، كتاب الجنائز، حديث رقم ١٢٨٦ و مسلم فى صحيحه فى كتاب الجنائز حديث رقم (٩٢٩)۔

حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے خود بولے جائے وہ کیا سنے گا بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا کہ بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوا اس لئے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے ''جزء القراۃ'' میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی بارے میں نازل ہوئی یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں مگر اس پر وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا۔ عام ہی رہتا ہے جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے لہٰذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئیگا کہ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے۔ سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور کوئی آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہو سکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے امام بخاری تو معذور تھے انہیں احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنہیں بار بار بتایا جا چکا پھر بھی اسی راگ کو الاپتے رہتے ہیں احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسے حالت میں سنت

فجر پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام[1] ہے۔ غرضیکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

ویسے قرأت خلف امام کے سلسلے مین احناف کے پاس احادیث بھی ہیں جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں مؤطا امام محمد میں بسند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَاِنَّ قِرَأَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَأَةٌ (مؤطا امام محمد، ص ۹۸)[2]

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی آیت میں تعارض بھی نہ رہا۔ اس حدیث نے بتا دیا کہ

[1] قرآنی آیت کے عموم کی بنا پر سنت فجر مکان بدل کر پڑھنے کی وجہ یہ حکم ہے واذا قرئ القران الایۃ مگر لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز کے قائلین کیا کریں گے ان کو تو مسجد سے ہی باہر نکلنا پڑے گا اور بیرون مسجد کے اسپیکر کھلنے ہونے اور گھر کے قریب ہونے کی صورت میں تو انہیں سنت ادا کرنے کیلئے شاید محلّہ سے باہر جانا پڑے

[2] امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں امام کے پیچھے قرأت نہیں نہ جہری نماز میں اور نہ ہی سری نماز میں۔ اس کے بارے میں متعدد آثار آئے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا فرمان ہے قرآن کے لئے خاموش ہو جاؤ اور تجھے امام کافی ہے یعنی امام کی قرأت تجھے کافی ہے۔ اور مروی ہے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ جہری نماز میں اور نہ سری نماز میں اور پہلی دو رکعت میں اور نہ آخری دو میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر ؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأت کافی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اسے امام کی قرأت کافی ہے اور آپ خود امام کے ساتھ قرأت نہیں کیا کرتے تھے (مؤطا امام مالك، برواية محمد بن حسن، ابواب الصلاة، باب القرأة فی الصلاة خلف الامام)۔

قرأت دو ہے حقیقی اور حکمی۔ جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکماً سورۃ فاتحہ پڑھ لی۔ تو حدیث "لَا صَلَاةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" پر بھی عمل ہو گیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے کچھ لوگ امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قرأت خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا کہ تم لوگ کئی ایک ہو میں اکیلا میں ہر ایک سے کیسے گفتگو کرونگا۔ تم لوگ کسی کو بات کرنے کیلئے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار اس کا انکار سب کا انکار ہو ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کر لیا کہ یہ بات کریگا اس پر حضرت امام نے فرمایا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے۔ ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں قیاس حدیثی ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کی ہے جو فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے افسوس کہ احناف کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی نظر نہیں آئی اور اگر نظر آئی تو اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

عمل بالحدیث:

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے "جامع المسانید" کے مقدمے میں لکھا ہے، امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعنہ وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہو گا جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ مُنصف ہو گا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے اس کے دلائل یہ ہیں۔

۱) امام اعظم حدیث مُرسَل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے کہ وہ حدیث مُرسَل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں قیاس مؤثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ اور قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں، رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے، البتہ قیاس مؤثر کو حجت مانتے ہیں مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے اس کی دوسری نظیر یہ ہے غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے منی کو ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے رہ گئی ام المؤمنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے[1]۔

اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ

---

[1] فقالت: کنت اغسله من ثوب رسول الله، فيخرج الى الصلاة، وأثر الغسل فی ثوبه اخرجه البخاری فی صحيحه فی کتاب الوضوء حديث رقم٢٣٠ وأخرجه مسلم فی صحيحه فی کتاب الطهارة حديث رقم (١٠٨-٢٨٩) وكذلك النسائی فی السنن فی کتاب الطهارة حديث رقم ١٠٩٤، وأخرجه ابن ماجه فی السنن فی کتاب الطهارة وسننها حديث رقم ٥٣٦، وأخرجه أحمد فی المسند١٤٢/٦ (مشكاة المصابيح، کتاب الطهارة حديث رقم ٤٩٤-(٥))

کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے[1]۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ اُمّ المؤمنین کا اپنا فعل ہے ثانیاً دھویا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر مُنصِف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے نجاست سے پاکی کیسے ہوگی یہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں یہ حدیث میں صراحت ہے امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا:

اِنَّمَا یُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْقَيْءِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ[2]

کپڑا پانچ چیزوں (کے لگنے) سے دھویا جاتا ہے پاخانہ، پیشاب، قئے، خون اور منی۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ طبرانی میں مذکور ہے تو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح کی ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترف کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں علاوہ ازیں عجل نے کہا

---

[1] عن الأسود وهمام قالت: كنت أفرك المنی من ثوب رسول الله وبرواته علقمه والأسود وفيه ثم يصلی فيه أخرجه مسلم فی صحيحه فی كتاب الطهارة حديث رقم (١٠٥-٢٨٨) (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة ، حديث رقم ٤٩٦-(٧))

[2] فتح القدير للعاجز الفقير، للامام كمال الدين المعروف بابن الهمام الحنفی، كتاب الطهارات، ص١٧٣، مطبوعة: دار احياء التراث العربی ، بيروت۔

لا بأس به ہے امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی اور احکام میں یہ بھی حجت۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی۔ مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

٤) جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً پاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے فرمایا چوہے اور چوہے کے اردگرد کو پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ (بخاری، ص ٣٧)[1]

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے اردگرد کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے اردگرد ناپاک ہو گیا لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں آجانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اسی کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آجائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آسکتا ہے مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک

[1] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، حدیث رقم ٢٣٥۔

اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہئے اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے۔ تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہٰذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی وہ قلے ہے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ[1] (مشکوٰۃ، ص ٥١)[2]

جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟ دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری (ج ١ ص ٣٧)، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:

لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الرَّاکِدِ الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ[3]

[1] أخرجه أحمد فی مسنده بلفظ لم ینجسه شیء ٢٧/٢، وأخرجه أبو داؤد فی السنن فی کتاب الطهارة حدیث رقم ٦٣، وأخرجه الترمذی فی السنن فی أبواب الطهارة حدیث رقم ٦٧، وأخرجه ابن ماجة فی السنن فی کتاب الطهارة و سننها حدیث رقم ٥١٧۔

[2] مشکاة المصابیح، کتاب الطهارة، حدیث رقم ٤٧٧-(٤)۔

[3] أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الوضوء حدیث رقم ٢٣٩ وأخرجه مسلم فی صحیحه کتاب الطهارة حدیث رقم (٩٠-٢٨٢) وأخرجه أبو داؤد فی السنن فی کتاب الطهارة حدیث رقم ٦٩ وأخرجه الترمذی نحوه حدیث رقم ٦٨ وأخرجه النسائی فی السنن فی کتاب الطهارة حدیث رقم ٣٥ وأخرجه الدارمی فی السنن حدیث رقم ٧٥٧ وأخرجه أحمد فی المسند ٣٤٦/٢- وأخرجه مسلم فی صحیحه عن جابر فی کتاب الطهارة حدیث رقم (٩٤-٢٨١) وأحمد فی مسنده ٣٥٠/٣ ولفظه ونهی رسول الله أن یبال فی الماء الراکد۔

اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب مت کرو۔ پھر اسی میں غسل کرو۔

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارکِ حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟

۵) اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم سے مکہ معظمہ میں دار الحیاطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا! کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے جب رکوع میں جاتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ اسود سے وہ عبداللہ بن مسعود ﵁ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزهري عن سالم عن أبيه حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثني حماد عن ابراهيم عن علقمة حضرت امام اعظم نے فرمایا حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں اسود اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﵁ کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے امام اوزاعی نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر[1]۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو

[1] امام جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نقل فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش سے مروی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھدار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی میں اس کو زندہ کر رہا ہوں اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو (۱۰۰) شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چپ رہے۔ مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا! میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (ارواح ثلاثہ، ص ۹۴)

شبہات اور جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صد ہا نظیریں پیش کر دیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے اس قسم کے ابحاث کے لئے پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب تک کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے ان کی قلعی نہ کھول دی جائے اس لئے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض

حدیث مصراۃ کی خلاف ورزی کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا،

لَا تُصَرُّوْا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، بَعْدَ اَنْ

(بقیہ حصہ) وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی اور عمری سے سنا، ان دونوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ مشکل مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبي حنيفة، قول الأوزاعي والعمري، ص۱۱۸، مطبوعة: ادارة القران والعلوم الاسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية، ۱٤۱۸هـ)

يَحْلِبَهَا: اِنْ شَاءَ اَمْسَكَ، وَاِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ۔
(بخاری شریف، ج،ص ۲۸۸)[1]

بیچنے کے لئے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا نہ چھوڑو جس نے اس کے بعد خریدا تو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کردے اور ایک صاع کھجور بھی دے۔

یہ بخاری کی روایت ہے مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے گیہوں نہیں۔ اس عہد میں طعام کا اطلاق جَو پر ہوتا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے اسی ''بخاری'' میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كَانَ طَعَامُنَا الشَّعِيرُ[2]   یعنی، ان دونوں ہمارا کھانا جَو تھا۔

لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کردیتے تاکہ خریدار جب دوہے تو سمجھے کہ یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا اس لئے منع فرمایا گیا اور چونکہ اس میں تنازع کا بھی امکان قوی ہے اس لئے اس کا حل ارشاد ہوا۔

اس میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں خیار نہیں بظاہر حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے مگر حقیقت کچھ اور ہے امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں اس پر بہت محققانہ مفصل بحث کی ہے کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ لکھتے ہیں۔

1. أخرجه البخاری فی صحيحه فی كتاب البيوع حديث رقم ٢١٤٨، وأبو داؤد فی السنن كتاب البيوع والإجارات حديث رقم ٣٤٤٣۔
2. أخرجه مسلم فی صحيحه فی كتاب البيوع حديث رقم (١١-١٥١٥) والنسائی فی السنن وابن ماجة فی السنن فی كتاب التجارات حديث رقم ٢٢٣٩، ومالك فی الموطاحديث رقم (٥٨٩/٤٥/٣١) من كتاب البيوع ونقله ولی الخطيب فی مشكاة المصابيح حديث رقم ٢٨٤٧-(١٤)۔

ذهبوا إلى أن ما روى عن رسول الله ﷺ فی ذلك مما تقدم ذكرنا له فی هذا الباب منسوخ

یعنی، امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا:

نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ[1]

یعنی، نبی ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں اور دوسرا عوض ایک صاع کھجور یا جو ہے وہ بھی مشتری ابھی نہیں دے رہا ہے۔ اس لئے یہ اگر بیع ہے تو یہ بیع الدین بالدین (یعنی، اُدھار کی بیع اُدھار کے ساتھ) ہوئی اور فرمایا نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مبیع سے مشتری جو فائدہ حاصل کرے وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا حتیٰ کا امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جس کی وجہ سے اسے واپس کردیا تو مشتری نے مبیع سے جو فائدہ حاصل کیا اس کا کوئی عوض نہیں مثلاً بکری خریدی، تین چار دن اس کا دودھ کھایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کردیا تو جو دودھ کھایا ہے اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا دلیل یہی حدیث ہے اسی طرح مصراۃ میں بھی کوئی ضمان نہیں ہونا چاہئے اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعویٰ نہ بھی درست ہو تو اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث مصراۃ، دوسری حدیثوں کے معارض ہے تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کرنے کے لئے ہوا۔ تو یہ الزام کہ قیاس

1. أخرجه الدارقطنی فی السنن حديث رقم٢٦٩ من كتاب البيوع، ونقطه ولی الخطيب فی المشكاة حديث رقم ٢٨٦٣-(٣٠)۔

سے حدیث کو ترک کیا سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث امت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے اولاً یہ بات پوری امت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوضین کی مقدار اور جنس معلوم ہونی ضروری ہے۔ یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں ظاہر ہے کہ ہر جانور ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا۔ سوچیئے اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہوسکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی۔ گھٹ جائے گی۔ اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ خواہ اونٹ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس۔ ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

ثانیاً یہ ایک صاع کھجور یا جَو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے کھایا ہے اور ضمان کی شارع نے صرف دو ہی صورت رکھی ہے۔ مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا نہ کھجور یا جَو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس قضیئے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ ایک صاع کھجور یا جَو نہ ہوگی کم وبیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہی اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار بہت کم ہوگی۔ پھر بہر صورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جَو ضمان دینا کیسے درست ہوگا۔

ثالثاً اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلا فرمایا کہ جو کھجور درخت پر ہو اُسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ بیچو۔ کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ بیچو۔ اگر چہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے ایک ماہر قریب قریب اندازہ لگا سکتا ہے مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے درخت پر کتنی کھجوریں ہیں۔ ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں اس لئے منع فرمادیا۔ یہاں بھی جہالت ہے دودھ کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں حدیث مصراۃ عند الفرقین کا مسلم احادیث کے معارض ہے اس لئے اس کی صحت میں شبہ ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور

محاقلت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور ثمنیت ہے۔ دودھ اور کھجور یا جَو میں دونوں باتیں مشترک ہیں یہ حدیث کا قیاس سے ترک نہ ہوا بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عند الکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

۱) حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے حضور اقدس ﷺ کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا:
الْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ[1] یعنی جسے آگ نے چھوا ہو اُس سے وضوء ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بنا پر بعض آئمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا۔

انتوضّاءُ مِنَ الدّھْنِ ان ضاء مِنَ الْحَمِیْمِ [2]

کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اے بھتیجے جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو (ترمذی، ص۱۲، ابن ماجہ، ص ۳۸)۔ مگر حضرت ابن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیاس کی بنا پر حدیث کو ترک کر دیا۔

۲) حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اٹھائے وضو کرے اس پر حضرت ابن عباس نے کہا:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض، حدیث رقم (۹۰-۳۵۱) وعن أبی ھریرۃ ، حدیث رقم (۳۵۳) ایضاً سنن الدارمی حدیث رقم۷۵۳۔

[2] أخرجه الترمذی فی السنن فی أبواب الطھارۃ حدیث رقم ۷۹ وابن ماجۃ فی السنن فی کتاب الطھارۃ وسننھا حدیث رقم ٤٨٥۔

هَلْ يَلْزَمُنَا الْوُضُوءُ مِنْ حَمْلِ عِيدَانٍ يَابِسَةٍ (نور الانوار، ص۱۷۸)

یعنی، کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اٹھائے۔ تا کہ جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہئے تھا کہ میری مراد یہ ہے اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے معاندین احناف ابن عباس کو کیا کہیں گے۔

۳) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر مر گیا اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایک مہینہ تک غور وخوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی رائے بتاتا ہوں اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں معقل بن سنان ؓ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا! میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بردع بن واثق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی نے معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصغى بِقَوْلِ أعرابي بوالٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَحَسْبُهَا الْمِيرَاثُ وَلَا مَهْرَ لَهَا [1]

یعنی، اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے اس عورت کو صرف میراث ملے گی مہر اس کیلئے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی اور کچھ بھی نہیں ملے گا اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس

۱ سنن الترمذی کتاب الطلاق واللعان حدث رقم ۱۱۸۰۔

اور ابن عمر کا مذہب ہے اب بتایئے حضرت علی ؓ اور ان تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟

۴) ترمذی میں ہے (ج۱،ص۱۴۱) کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے انہیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا [1]۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انہوں نے کہا اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا تھا:

لَا نَدَعُ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِيْ اَحَفِظَتْ اَمْ نَسِيَتْ فَكَانَ عُمَرُ جَعَلَ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةَ [2]

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۃ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں۔

۱) ﴿وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ الاية (الطلاق:۱/۶۵)

انہیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں۔

۲) ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ الاية (الطلاق:۶/۶۵)

جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طلاق والی کے لئے ہے اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز، تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی

۱ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث رقم (۵۱-۱۴۸۰)۔

۲ صحیح مسلم (کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا الخ) میں حضرت عمر ؓ کا یہی قول ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے آپ نے فرمایا: لا نترك كتاب الله وسنة نبينا ﷺ والنفقة قال الله عزوجل ﴿وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ الاية (الطلاق:۱) حديث رقم (۴۶-۱۴۸۰)۔

حدیث سے حضرت عمر نے خاص فرمایا؟ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر کا قیاس تھا کہ انہوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا۔ تو یہ قیاس سے حدیث کا ردّ کرنا ہوا؟ بولئے، حضرت عمر کے بارے میں کیا تحقیق ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا۔ سب نے سکوت کیا، کیا سب صحابہ کرام قیّاس تھے؟

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے وہ ''ترمذی'' میں مذکور نہیں البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلاثہ کو قیاس فرمایا۔ جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلاثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اُفقہ ہونا ہے اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتائیے کہ حضرت امام مالک امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا ترمذی میں ہے:

قال بعض أهل العلم لها السكنى ولا نفقة لها وهو قول مالك بن أنس والليث بن سعد والشافعي [1]

بعض اہل علم نے کہا اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا نفقہ نہیں ملے گا یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے

ان تینوں آئمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام

حدیث مصراۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور مکہ معظمہ

[1] سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان حدث رقم ۱۱۸۰۔

قربانی کے لئے لے جائے جاتے ہیں جنہیں ہدی کہتے ہیں۔ انہیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے اسے اشعار کہتے ہیں احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا اس پر قیامت سر پر اُٹھالی گئی حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا:

لَا تَمْنَعُوا آمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ [1]

یعنی، اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا:

وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ [2]

یعنی، بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المؤمنین حضرت صدیقہ نے فرمایا:

لَوْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَا اَحْدَثَتِ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلُ [3]

آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے بولئے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم ابوحنیفہ نے کیا جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، حدیث رقم (۱۳۶-۴۴۲)

[2] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃالعیدین، حدیث رقم (۱۲-۰-۸۹)

[3] صحیح البخاری، کتاب الأذن، حدیث رقم ۸۶۹ وصحیح مسلم کتاب الصلاۃ حدیث رقم (۱۴۴-۴۴۵)۔

جواب ہے۔

اشعار کی کراہت کی وجہ

اشعار جو مسنون تھا[1] وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگادیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی[2] اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتا۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذاء بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانہ کے اشعار، کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادا میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا اس لئے سد الباب الفتنہ[3] امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا حدیث لَاتَمْنَعُوْا آمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بنا پر اشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے جس سے بڑے بڑے آئمہ متاثر بھی ہوئے۔ مگر جب رو برو گفتگو ہوئی تو لوگوں کے شکوک وشبہات دور ہو گئے جس

---

[1] عن ابن عباس، قال: صلى رسول الله ﷺ الظهر بذى الحليفة، ثم دعا بناقته فأشعرها فى صفحة سنامها الأيمن وسلت الدم عنها الخ أخرجه مسلم فى صحيحه فى كتاب الحج حديث رقم (٢٠٤-١٢٤٢) وأبو داؤد فى السنن فى كتاب المناسك حديث رقم ١٧٥٢ والترمذى فى السنن فى كتاب الحج حديث رقم ٩٠٦ والنسائى فى كتاب المناسك حديث رقم ٢٧٧٤ والدارمى باب : فى الإشعار كيف يشعر حديث رقم ١٩٥٣ وأحمد فى المسند ٢١٦/١ ، یعنی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اپنی اونٹنی منگوا کر اس کے کوہان کے دائیں جانب اشعار فرمایا اور اس کے خون کو صاف کر دیا۔

[2] یعنی، حد سے تجاوز کر گئے۔

[3] یعنی، فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لئے۔

کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصولِ فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ، اصولِ فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصولِ فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسیٰ بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ ''مسلم الثبوت'' اٹھا کر دیکھو انہوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی علماء نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا۔ جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

۱) پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے نا قابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ قیاس کے خلاف ہے اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال أهل المدينة لكن لا قياس مع الأثر ولولا ينبغى إلا أن ينقاد الآثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہئے۔

۲) رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا یہ حدیث سے ثابت ہے قیاس چاہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم مگر امام اعظم نے فرمایا:

لولا ما جاء فى هذا من الآثار لأمرت بالقضاء

اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں ایسے روزے کی قضاء کا حکم دیتا۔

احادیث کے عللِ قادحہ خفیہ

یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ احادیث کی صحت وعدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے ایک ہی حدیث دسیوں محدثین کے نزدیک صحیح ہے مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو۔ یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں ضعیف ہی ہو۔ یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہو۔ اس کی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آمین بالجہر ثابت کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں اس لئے کہ اگر ان میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جبکہ امام بخاری نے آمین بالجہر کا باب باندھا ہے تو اسے ضرور ذکر فرماتے آمین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے۔

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرْأَةَ الْإِمَامِ لَهٗ قِرْأَةٌ

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکالتے ہیں مگر یہ حدیث صحیح ہر قدح ہر علت سے پاک ہے۔ امام محمد نے مؤطا (ص ۹۸) میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں۔ روایت کیا امام ابن ہمام (فتح القدیر، ص ۱۳۶) نے فرمایا، یہ حدیث شیخین کے شرط پر صحیح ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر اور شروط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر وقت تک یاد رکھے ہو یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث معنعن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول وفعل

نہیں امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے۔ بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں احناف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث مُرسَل حجت ہے۔ کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ ان شرائط کے اختلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہوا ہے اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے پھر ان ظاہر وجوہ سے ہٹ کر کبھی بظاہر حدیث صحیح ہے۔ متصل السند ہے تمام راوی ثقہ ہیں کوئی خرابی نہیں نظر آتی۔ مگر ایک ماہر حدیث کا نقاد، حاذق اسے کسی خفی علت کی بنا پر ضعیف کہہ دیتا ہے پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں بیان کرسکتا جو اس کے معلل ہونے کی ہے۔ جیسے ایک صراف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی مگر دوسرے کو بتا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابو حاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے بعض کو صحیح بعض کو مدرج بعض کو منکر، بتایا۔ سائل نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟ ابو حاتم نے کہا نہیں، مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس نے کہا! کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ فرمایا تو دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جا کر انہیں کے معاصر دوسرے محدث ابوزرعہ سے پوچھا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو ابو حاتم نے کہا تھا۔ اب اس کو اطمینان ہوا (فتح المغیث)۔ امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا:

هی إلهام ولو قلت للقيم بالعلل من أين لك هذا لم تكن له حجة ـ

(فتح المغيث)

یہ الہام ہے اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بنا پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرسکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے:

أثر يهجم على قلوبهم لا يمكنهم رده وهيئة نفسانية لا معدل لهم۔

یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے جسے وہ رد نہیں کرسکتے اور ایک نفسیاتی

تاثر ہے جس سے وہ صرف نظر نہیں کر سکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہونا بعد از قیاس نہیں کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کر سکیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے یا نہیں۔ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے ہی نہیں ـــــ بلکہ ـــــ بعد کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں ـــــ اعظم جلیل ہی نہیں ـــــ اجل کبیر ہی نہیں ـــــ اکبر محدث بھی تھے اور ایسے ماہر حاذق کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کما حقہ واقف تھے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انہوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لے کر کچھ احادیث کو علل خفیہ قادحہ کی بنا پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا۔ لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم

پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا، کام نہیں۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اسی ''بخاری'' کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے:

فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ [1] (بخاری شریف، ج ۱، ص ۲۱)

سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے۔ اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر مبارک دوران خطبہ فرمایا:

---

۱ أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب العلم ، حديث رقم ۱۱۱۔

إِنَّ اللّٰهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ ذٰلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔

یعنی، اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ، اس بندے نے حضوری بارگاہ کو پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا، رو کیوں رہے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مختار خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے[1] (بخاری، ج ۱، ص ۵۱۶)

۲) حضرت فاروق اعظم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر نے سب کے صاحبزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا۔ اور دریافت فرمایا کہ سورۃ نصر ﴿إِذَا جَاءَ ......﴾ سے کیا سمجھتے ہو۔ کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے کچھ نے عرض کیا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح و تحمید کریں۔ استغفار کریں یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا، اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جارہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے حضرت امام اعظم کو اللہ عزوجل نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں اور امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی۔ جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جنہیں اللہ چاہتا، امام کی جلالت تسلیم کر لیتا، ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے ''الخیرات الحسان'' میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں ان

---

۱ أخرجه البخاري في صحيحه كتاب (المناقب أو) فضائل أصحاب النبي ﷺ حديث رقم ۳٦٥٤۔

کا جاننے والا میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم، حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے انہوں نے امام اعظم سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کس سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کر دیا۔ امام اعمش نے فرمایا، بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالی، میں نہیں جانتا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء! أنت الأطباء ونحن الصیادلة وأنت أیها الرجل اخذت بکلا الطرفین (الخیرات الحسان، ص ٦٦،٦٧)

اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو حاصل کر لیا۔

اللہ عزوجل سے حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر فرمائے۔ انہوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہائے کے مراتب کی تعیین میں چلی آ رہی ہے۔ ان چند لفظوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے اب ہم بھی اس گفتگو کو انہیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالت شان گھٹانے کے لئے ایک جاہلانہ سوال اُچھالا جاتا ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلدین طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے باں جلالت شان کہیں کہیں لغوی و صرفی لغزش ہوگئی ہے۔ جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی (حنفی) نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چلی گئی۔ ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام

اعظم پر طعن سبّ وشتم پر اُتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہو نہ سکا، کیا یہ...... کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا۔ جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابوعمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمثقل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں، اس پر ابوعمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں فرمایا،

لو قتله بأبا قبیس

اگر چہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابوقبیس پر ''با'' حرف جار داخل ہے اس لئے اس کو یاء کے ساتھ ''بابی قبیس'' ہونا چاہئے تھا اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری قتل ابی جہل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا انت أبا جهل، جو روایت بطریق محمد بن مثنیٰ ہے۔ اس میں معتمد روایت یہی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے حالانکہ ہونا چاہئے ابوجہل، اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ "بأبا قبیس" غلط ہے اور نہ "انت أبا جهل" غلط۔ اسمائے ستہ مکبّرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ''جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا'' چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

إنَّ أبَاهَا وَأبَا أبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں یا کے ساتھ اور حالت رفع میں ''واؤ'' کے ساتھ اس لئے "انت ابا جهل، ولو

قتلہ بابا قبیس" غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کے جوابات

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آرہا ہے۔ اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوالِ رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب

اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوالِ رجال سے احکام استنباط فرمائے، اور انہیں دلیل بنایا بلکہ کہیں کہیں صرف اقوالِ رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوالِ رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوالِ رجال ہی ہیں بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوالِ رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوالِ رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ یہ ترتیب اَلْاَهَمُّ فَالْاَهَمُّ کی ہے۔

دوسرا جواب

جن امور کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب

یہ بات بہ تحقیق ثابت ہوچکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن واحادیث ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن واحادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکامِ قرآن وحدیث

میں نہ مل سکے۔ ان میں انہوں نے قرآن واحادیث سے مستخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کیے ہیں تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے۔ اور یہ حقیقت میں اقوالِ فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں بلکہ اصل ۔اعتماد قرآن وحدیث پر ہے۔ یہ اقوالِ فقہاء قرآن واحادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے ہوئے بھی "فتاویٰ نذیریہ"، "فتاویٰ ثنائیہ" پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں؟ اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن واحادیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے؟

اقوالِ فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز وحرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی۔ اور (یہ رائے) قرآن واحادیث کے معارض ہوتی۔ مگر جب ان کے اقوال قرآن وحدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن واحادیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے اور یہ قرآن واحادیث سے بھی ثابت ہے مجتہد کون ہے؟ یا کون ہوسکتا ہے؟ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں اب جو مجتہد نہیں لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا مقلد ہے، اسے براہ راست قرآن واحادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے اس لئے وہ لوگ اقوالِ فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ عمل خود اجلہ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتیٰ کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ

خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا انہوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتایئے۔ حضرت سفیان ثوری ؒ سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں کوئی اچھی تقریر نہیں کرسکتا یعنی امام اعظم۔ پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمہارے شیخ کا کیا قول ہے؟ یہ لوگ بتاتے اسی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے کے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا بیوی کیوں پیچھے رہتی اس نے بھی برابر کی قسم کھالی جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان، شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا کیا حل ہے فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دے دو۔

شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفاء ہوئے امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفے کے ایک شخص نے اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی اور کوفے کے تمام علماء وفقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، حسن بن صالح بھی دعوت میں شریک

تھے۔ لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشان حال آیا۔ اور کہا بڑی مشکل ہوگئی عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دو بہنیں بدل گئیں۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت سفیان نے کہا! حضرت معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ دونوں لڑکے آئے تو امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جو لڑکی رات تمہارے ساتھ تھی وہ تم کو پسند ہے ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے فرمایا، کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دے دو۔ اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کرلو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا اس لئے کہ وطی بالشبہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخالفت کے اسباب

ایک تو وہی حسد چونکہ امام صاحب کے فضل وکمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہوگئیں عوام خواص سب کے مرجع اعظم، حضرت امام ہی ہوگئے یہ بات معاصرین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کے لئے ان پر بے جا تنقید کرنے لگے۔

دوسرا سبب

معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہار حق کے لئے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے اس سے لوگ چڑ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفے کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ بتیس (۳۲) برس کوفے کے قاضی رہے ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہوجاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لئے انہیں تنبیہہ فرمادیا کرتے تھے۔ انہیں یہ بات ناپسند تھی اس لئے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضاء سے فارغ ہو کر کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے

جھگڑا ہو رہا تھا۔ عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہہ دیا (یعنی، اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضاء میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسّی اسّی یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے مارے جائیں۔ جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا، ابی لیلیٰ نے اس میں چھ (٦) غلطیاں کی ہیں۔

۱- مجلس قضاء سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آکر فیصلے کے لئے بیٹھے۔

۲- مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳- عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہئے۔ انہوں نے کھڑے کرا کر درّے لگوائے۔

۴- ایک ہی حد لازم تھی انہوں نے دو جاری کیں۔

۵- ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حدیں لازم بھی ہوں تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہئے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانا چاہئے۔

٦- جسے عورت نے ابن الزانیین کہا تھا اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔

اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفے کے گورنر سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگا دی کہ امام ابوحنیفہ فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کوفے میں اور بہت سے فقہاء تھے اس صورت میں فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتویٰ دینا بند کر دیا اسی اثناء ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا؟ تو امام صاحب نے فرمایا، بیٹی! تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔ مجھے آج کل فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ

اطاعت امیر اور دیانت و امانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

(ترجمہ ابن ابی لیلیٰ، ج ۱، ص ۴۹۲)

لیکن جب مسائل میں خود کوفے کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کر سکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا اور حکم امتناعی اُٹھا لینا پڑا۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وكان هذا المنع للإمام رضى الله تعالىٰ عنه قبل إجتماعه به ومعرفته بمقام الإمام فى العلم (كتاب الميزان، ج۱، ص٦٢)

یعنی، امام صاحب کو فتویٰ دینے سے منع کرنا آپ کی ملاقات اور آپ کے پایۂ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

اور جب امام صاحب کے پایۂ علمی کا علم ہوا تو پکار اٹھا۔

هذا عالم الدنيا اليوم (تبييض الصحيفه، ص ۲۰)

یعنی، یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحییٰ بن سعید، شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے کوفے کے قاضی تھے مگر کوفے میں ان کو وہ قبول عام نہ حاصل ہو سکا جو حضرت امام اعظم کا تھا اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا کہا کرتے تھے کہ کوفے والے عجیب کم عقل ہیں تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابو یوسف امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے قاضی یحییٰ سے پوچھا ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے تو آزاد کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کر سکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ جس کام سے دوسرے کو ضرر پہنچے (وہ کام) جائز نہیں۔ امام ابو یوسف نے پوچھا، اگر دوسرا آزاد کر دے تو؟ اس پر قاضی صاحب نے کہا، اب آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا، آپ نے اپنے قول کا ردّ کر دیا، پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا یہ غلام پورا کا پورا

غلام ہی رہا۔اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی۔اب کیسے آزاد ہو گیا؟

تیسرا سبب

یہ ہے کہ کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کر کے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد، یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں امام نسائی نے ضعیف کہا۔ ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب (یعنی، حدیثیں گھڑنے والا جھوٹا) تھا، امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لئے کرتا ہوں ایسے لوگوں پر حیرت نہیں حیرت امام بخاری پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کر کے ہم اس پر بحث کو ختم کرتے ہیں،...... وہ لکھتے ہیں:

> ''حافظ ابوالشیخ بن حبان نے ''کتاب السنۃ'' میں یا حافظ ابن عدی نے ''کامل'' میں، یا ابوبکر خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے ''مصنف'' میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض آئمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ ان کی شانِ علم واتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے اس سے احتراز کیا جائے۔''

بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ

حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد معیّن کرنا مشکل ہے۔ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدّث ہوئی ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب پر تفصیلی بحث تو دفتر چاہتی ہے۔ صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لئے سیکڑوں صفحات چاہئے ناظرین کی طمانیت خاطر کے لئے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ

امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے جو اصحابِ صحاحِ ستہ اور امام احمد یحییٰ بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر مکی بن ابراہیم بلخی ہیں۔ جو امام بخاری کی بائیس (۲۲) ثلاثیات میں سے گیارہ (۱۱) ثلاثیات کے شیخ ہیں۔ بلخ کے امام ہیں ان کا قول ہے امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے زاہد، سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اس عہد میں محدث کہتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے، اپنی ''سنن'' میں تینتیس (۳۳) جگہ ایسی روایات لی ہیں۔ حاکم کی ''مستدرک''، طبرانی کی ''معجم صغیر''، ''مسند ابوداؤد طیالسی'' میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں ترمذی، نسائی، جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔ ''مجمع البحار'' میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے ''تقریب'' میں امام اعظم کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور ''تہذیب التہذیب'' میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری امام ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، حاکم حتیٰ کہ دارقطنی تک امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں اگرچہ کچھ درجے نیچے آ کر حضرت امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصیت سے حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت فضیل بن عیاض، حفص بن غیاث، ابوعاصم النبیل، داؤد طائی، مسعر بن کدام، یزید بن ہارون، یحییٰ بن القطان، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ ان اجلہ محدثین نے کسی ایسے ہی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے جو حدیث سے نابلد ہو اور تنگ بندی کو احکام شریعت بتا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو

ع   آواز دو انصاف کو، انصاف کہاں ہے

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لئے وہ وہ مظالم کیے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بُرا بدنما داغ ہیں۔اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداً ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے بعد میں بہت بڑی فوج تیار کر لی۔حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتویٰ دے دیا۔نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر، قوی، طاقتور تھے۔ مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو سن ۱۴۵ھ میں وادِ مردانگی دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے بڑے بڑے آئمہ، علماء، فقہاء نے ان کا ساتھ دیا حتیٰ کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا، مگر مالی امداد کی لیکن نوشتہ تقدیر کون بدلے۔ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہو کر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، سن ۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا۔مگر جواز قتل کے لئے بہانہ کی تلاش تھی اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدہ قضاء پیش کیا۔امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔منصور نے

جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدہ قضاء کے لائق نہیں، جھوٹا ہوں تو بھی عہدہ قضاء کے لائق نہیں اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔اس پر منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ربیع نے غصے میں کہا! ابوحنیفہ تم امیر المؤمنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔امام صاحب نے فرمایا، ہاں یہ اس لئے کہ امیر المؤمنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے اس پر منصور نے جُز بُز ہو کر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ بڑھا دیا۔جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوایا۔جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

ع جتنی ہو قضا ایک ہی سجدہ میں ادا ہو

تجہیز و تکفین

وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔قاضی بغداد عمار بن حسن نے غسل دیا۔غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔غسل سے فارغ ہوتے ہوئے جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔اس پر بھی آنے والوں کا تانتا

باندھا ہوا تھا چھ (۶) بار نماز جنازہ ہوئی اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے دفن کے بعد بھی بیس (۲۰) دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے ایسے قبولِ عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت آئمہ محدثین وفقہاء موجود تھے۔جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے انہوں نے وصال کی خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا، بہت بڑا عالم چلا گیا۔بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا، کوفے میں اندھیرا ہوگیا۔امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سن کر بغداد حاضر ہوئے۔جب امام کے مزار پر پہنچے۔روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے، حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام وخواص ہے حضرت امام شافعی نے فرمایا۔میں امام ابوحنیفہ کے توسّل سے برکت حاصل کرتا ہوں، روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم أنه لم يزل العلماء وذو الحاجات يزورون قبره ويتوسلون عنده في قضاء حوائجهم ويرون نجح ذلك منهم الإمام الشافعي رحمة الله عليه انتهى

(الخیرات الحسان، ۶۹)

یعنی، جان لے کہ علماء واصحابِ حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاءِ حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے سن ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالی شان قبہ بنوایا۔ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا، نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء وعمائد کو مدعو کیا۔یہ مدرسہ مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا۔اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔حضرت امام کا وصال نوے (۹۰) سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو سن ۱۵۰ھ میں ہوا۔

Ishaate Islam

فقہ حنفی کی عالمی مقبولیت

[از: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی]

پروفیسر ابو زہرہ مصری رقم طراز ہیں: مشرق میں آزاد اسلامی حکومتیں سلاجقہ، آل بویہ، براعظم افریقہ میں طرابلس، تیونس، الجزائر، اندلس، جزیرہ سسلی سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی نے قاہرہ (مصر) میں احناف کے لئے ''مدرسہ سیوفیہ'' قائم کرایا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصری عوام میں حنفی مذہب نے فروغ پایا۔ مصر، شام میں حنفی مذہب عوام میں مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ مشرقی ممالک میں عراق، خراسان، سیستان، ماوراء النہر (اس سے مراد روس کی آزاد مسلمان ریاستیں ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان، بلخ، بخارا، سمرقند، تاشقند، وغیرہ ہیں) میں احناف کی بڑی اکثریت تھی۔

روس کی اسلامی ریاستوں میں آرمینا، آذربائیجان، تبریز، رے، اہواز کے رہائش پذیر بھی حنفی مذہب ہیں۔ ایران میں پہلے احناف کی بڑی اکثریت تھی۔ ہندوستان، پاکستان میں بھی حنفی مذہب کا سکہ جاری تھا۔ چین میں چالیس ملین سے زائد مسلمان سکونت پذیر ہیں ان میں اکثر حنفی مذہب کے پیروکار ہیں۔ (حیات حضرت امام ابوحنیفہ، باب حنفی مذہب کی اشاعت عام مطبوعہ انڈیا، یہ کتاب سن ۱۹۴۵ء کی تحریر شدہ ہے۔)

مورخ ابن خلدون رقم طراز ہیں: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین آج عراق، ہند (پاک و ہند) چین، ماوراء النہر، بلاد عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص ۶۶۹)

حنفی مذہب کو کلی طور پر ''سلطنت عثمانیہ'' کے تمام صوبوں میں نہ صرف عوامی زندگی بلکہ سرکاری نظام عدل میں مستند مجموعہ قوانین کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی (ص ۱۰۶)۔ حنفی مکتب فکر وسط ایشیاء اور ہندوستان (پاک و ہند) بنگلہ دیش میں غالب و فائق ہے۔ (ص ۱۳۱) (شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

ڈاکٹر صبحی محمصانی مصری لکھتے ہیں: جو ممالک سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت رہے ہیں جیسا کہ مصر، سوریا (شام)، لبنان ان کا مذہب بھی محکمۂ عدل و قضاء میں حنفی چلا آرہا ہے حکومت تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیر اثر ممالک مثلاً شام اور البانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی عبادات میں یہی ہے اور مسلمانان بلقان و قفقاز بھی مسائل عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں اسی طرح افغانستان و ترکستان اور مسلمانانِ پاک و ہند و چین میں بھی یہی مذہب غالب ہے اور اس

مذہب کے پیروکار دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں۔ (فلسفہ شریعت اسلام، ص ۴۸، مطبوعہ مصر)

بعض احمق الزام لگاتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے عہدہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پر مامور ہوکر جبر و تحدید سے مذہب حنفی کو رواج دیا.......... اس الزام کا پروفیسر نور بخش توکلی علیہ الرحمہ جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: امام اعظم سن ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے اور امام ابو یوسف کو خلیفہ ہارون رشید نے سن ۱۷۰ھ کے بعد عہدہ قاضی القضاۃ پر مامور کیا اس پچاس برس میں مذہب حنفی کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور وہ امام اعظم کے شاگردوں کے ذریعہ کوفہ کے حدود سے باہر حرمین شریفین بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رافہ، نصیبین، دمشق، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کیش، صغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، سجستان اور خوارزم وغیرہ مقامات میں پہنچ چکا تھا (دیکھئے مناقب الامام الاعظم للکردری)۔ اب بتلائیے کہ اس کامیابی کو کس طرف منسوب کریں؟ اگر مذہب حنفی حق نہ ہوتا تو امام صاحب یا امام یوسف کے بعد جلد ناپید ہو جاتا، مگر ہم اس کے برعکس دیکھ رہے ہیں کہ حاسدوں کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود اس کو روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ مذہب حنفی کی اشاعت صرف اپنی ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوئی ہے امام صاحب کے ہزاروں شاگردوں نے جو آسمان فقہ کے ستارے ہیں، امام اعظم کے مسائل کی روشنی دور دور پھیلا دی تھی۔ (الاقوال الصحیحۃ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ، ص ۶۳، مطبوعہ ۱۹۱۴ء)

چند سال قبل ایک عرب محقق نے آئمہ اربعہ کے پیروکاروں کے اعداد و شمار جمع کئے تھے اس نے حنفی کی تعداد ساڑھے چھیاسی کروڑ، شافعی کی تعداد ساڑھے چار کروڑ، مالکی کی تعداد چار کروڑ اور حنبلی کی تعداد صرف چالیس لاکھ رقم کی ہے۔ (صراط مستقیم، ص ۵۹، مطبوعہ: ۱۹۹۶ء)

زمانہ ہر عہد، ہر صدی میں کریگا اخذ فیوض جس سے
جہاں میں وہ ہستی منیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ

(ماخوذ از انوار امام اعظم، مرتب: سید زین العابدین شاہ راشدی مدظلہ العالی)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کی سرگرمیاں

ہفت واری اجتماع:

ہر پیر کو بعد نماز عشاء، نور مسجد کاغذی بازار میں تقریباً ایک گھنٹہ کی نشست منعقد ہوتی ہے جس سے مقتدر علمائے اہلسنّت مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے ہیں۔

مفت سلسلہ اشاعت:

ایک مفت اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کے تحت ہر ماہ مختلف موضوعات پر کتابچہ شائع کئے جاتے ہیں اور پاکستان بھر میں ارسال کئے جاتے ہیں خواہش مند حضرات نور مسجد سے رابطہ کریں۔

مدارس حفظ و ناظرہ:

رات کو حفظ و ناظرہ کے مختلف مدارس لگائے جاتے ہیں جہاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

درس نظامی:

رات کے اوقات میں درس نظامی کی کلاسیں بھی لگائی جاتی ہیں جس میں ابتدائی پانچ درجوں کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان شاء اللہ عنقریب صبح کے اوقات میں بھی کلاسوں کا آغاز کیا جائیگا۔

کتب و کیسٹ لائبریری:

ایک لائبریری بھی قائم ہے جس میں علماءِ اہلسنّت کا مفید لٹریچر مطالعہ کے لئے اور کیسٹیں سماعت کے لئے مفت فراہم کی جاتی ہیں خواہش مند حضرات رابطہ فرمائیں۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

واضح حکم خداوندی کے باوجود

ہم اپنے دینی و دنیاوی مسائل پوچھنے میں کیوں شرماتے ہیں......؟

آپ کے اپنے علاقے میں قائم دارالافتاء

دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت میں

بمقام: نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر کراچی۔

حضرت علامہ مولانا مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب مدظلہ العالی

آپ کے دینی و دنیاوی مسائل کے جوابات کے لیے موجود ہیں۔

شرمانا اور جھجکنا چھوڑیے۔

آیئے............اور............پوچھیے